www.naushahidynasty.com

باب6

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی اردو شاعری

تحقیقی وتنقیدی مطالعہ

پس منظر

کسی شاعر کے ادبی مقام کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے عام طور پر دو حوالوں سے اُس کے کلام کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ ایک فکری اور دوسرے فنی حوالے سے کلام کی پرکھ سے شاعر کا مقام متعین کرنے میں خاصی مدد ملتی ہے۔ فکری اعتبار سے نوشہ صاحبؒ کا اردو کلام سراسر صوفیانہ خیالات کا حامل ہے۔ انہوں نے اپنی اردو شاعری میں وہی مضامین و موضوعات اپنائے ہیں جو پنجابی شاعری میں موجود ہیں۔ اس لئے ہم یہاں اُن کی اردو صوفیانہ شاعری پر زیادہ بحث نہیں کریں گے۔ کیوں کہ اُن کے صوفیانہ نظریات سے متعلق ہم گذشتہ اوراق میں نہایت تفصیل سے بات کر چکے ہیں۔ یہاں ہم اُن کے کلام کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے صرف اردو کی صوفیانہ شاعری کا تھوڑا سا پس منظر پھر اُس کی روشنی میں نوشہ صاحبؒ کی اردو شاعری کا اختصار سے ذکر کریں گے۔ زیادہ تفصیلی مطالعہ ہم لسانی حوالے سے کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہی ہمارے موضوع کا تقاضا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ سے پہلے بھی مختلف علاقوں میں بہت سے صوفیائے کرام ہوئے ہیں جنہوں نے تبلیغ دین اسلام میں بے حد محنت کی اور اس مشن میں کامیابی حاصل کی۔ تاریخ شاہد ہے کہ 696ھ/ 1296ء میں علاء الدین خلجی نے گجرات پر اپنا تسلط قائم کیا[1] اور اپنا ایک صوبیدار وہاں مقرر کیا۔ مگر تیمور کے دہلی پر حملے کے ساتھ ہی اُس کا تسلط ختم ہوگیا۔ صوبیدار ظفر خان کے بیٹے تاتار خان

1- اقبال صلاح الدین: تاریخ پنجاب عزیز بکڈپو لاہور 1974ء ص150

نے وہاں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی اور محمد شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔ 806ھ تک خلجی اور تغلق دور میں دہلی سے لے کر گجرات کے ہر علاقے کے لوگ اُن کی فوج میں سپاہی رہے۔ یوں اُن کے ذریعے دہلی کی زبان گجرات کے علاقے میں پہنچی۔ یہ صورت حال اکبر کے عہد (1556ء تا 1600ء) تک قائم رہی۔[1] بعد میں گجرات کا علاقہ اکبر کی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ یوں دلی کی زبان و ثقافت کا اثر امیر خسرو کے دور سے لے کر اکبر کے آخری دور تک یہاں قائم رہا۔ اگر چہ سیاسی حالات تواتر سے بدلتے رہے، لیکن خلجی خاندان سے لے کر اکبر کے دور حکومت تک مسلمانوں کی حکومت رہی۔ اس سے ہندوستان میں مسلمانوں کو استحکام ضرور حاصل ہوا لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان تمام مسلمان حکمرانوں سے دین اسلام کی اشاعت کا وہ کام نہ ہو سکا جو مسلمان صوفیاء نے اپنی شیریں گفتار اور پاکیزہ کردار سے کر دکھایا۔ صوفیاء کا مسلک صلح، امن، محبت اور بھائی چارہ تھا۔ وہ ایسے دلکش انداز میں تبلیغ کرتے تھے کہ لوگ خود بخود اُن کی طرف کھنچتے چلے آتے تھے۔ انہوں نے اسلام کا پیغام کسی خاص فرد یا طبقے تک محدود نہیں رکھا یہی وجہ ہے کہ ہر کوئی بلا روک ٹوک اُن کی مجلس سے فیضیاب ہوتا تھا اور نیکیوں سے دامن بھر لیتا تھا۔ صوفیاء کا طریقہ یہ تھا کہ وہ عوام کی زبان میں وعظ و نصیحت کرتے تھے تا کہ عوام اُسے سمجھ سکیں اور اُن پر عمل پیرا ہو سکیں۔ اُس زمانے میں گجرات، دہلی اور دکن میں جو مقامی زبانیں تھیں لسانیات کے ماہرین کے نزدیک اُن کی ترقی یافتہ شکل موجودہ اردو زبان ہے۔[2]

گجرات کے آٹھویں صدی ہجری سے لے کر گیارہویں صدی ہجری کے صوفی شعراء میں سے حضرت قطب عالم (790ھ۔850ھ) اُن کے بیٹے حضرت شاہ عالم (817ھ۔880ھ) احمد آباد کے حضرت شیخ وجیہہ الدین احمد علوی (910ھ۔998ھ) قاضی محمود دریائی (وفات 941ھ)، حضرت شاہ علی محمد جیوگام دھنی (وفات

1- تاریخ پنجاب ص 191

2- عبدالحق ڈاکٹر: قدیم اردو، کراچی 1961ء ص 167

973ھ)، حضرت شیخ خوب محمد چشتی (وفات 1023ھ) اور گجرات کے سید شاہ ہاشم (وفات 1059ھ) قابل ذکر ہیں۔ ان بزرگوں میں چند ایک کا بہت مختصر کلام ملتا ہے۔ جبکہ شاہ علی محمد جیوگام دھنی کا دیوان، جواہر اسرار الٰہیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اُن کے کلام پر گوجری زبان کا زیادہ اثر ہے۔ وہ صاف اردو نہیں ہے۔ اسی طرح قطب عالم اور شاہ عالم کے اقوال بھی ہندی زبان میں ہیں۔ اور شیخ وجیہہ الدین احمد علوی کے ملفوظات ''سحر الحقائق'' کی زبان بھی ہندی ہے۔ اُن کو کسی طور بھی اردو نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ سید شاہ ہاشم کے ملفوظات یا اقوال ''مقصود المراد'' اور شیخ خوب محمد چشتی کا کلام اُس زمانے کی اردو کے بہترین نمونے قرار دیئے جا سکتے ہیں۔[1] لہٰذا ہم اُن کو اردو میں شمار کر سکتے ہیں۔ یہ زبان اُس زمانے میں عوام سمجھتے، بولتے لکھتے اور پڑھتے تھے۔ ثبوت کے طور پر یہاں احمد آباد کی ایک مسجد کے ایک کتبہ کے دو شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ جو ڈاکٹر عبدالحق نے اپنی کتاب قدیم اردو میں درج کئے ہیں:

فنا دُنیں سمجھائیکر باندھے شاجی پال بانو مسجد کے تائیں ہچیں ملک جلال

تاریخ اس مسیت کی ہوئی سویوں مشہور مسجد جامع کے بیچ ڈھا یا بے نور[2]

اس کتبہ 963ھ کا بتایا جاتا ہے۔

اس جملہ صورت حالات میں اگر دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کی شاعری پر نظر ڈالیں تو یوں لگتا ہے جیسے یہ زبان اردو نہیں ہے بلکہ ہندی، گجراتی، سنسکرت نما برج بھاشا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی زبان بے حد صاف ستھری اور قابل فہم ہے۔ کوئی زبان اُس وقت ہی صاف ستھرا اور عام فہمی کا روپ دھارتی ہے جب وہ صدیوں کا سفر طے کر چکی ہو۔ نوشہ صاحبؒ کی صاف ستھری اور قابل فہم زبان اس امر کی شاہد ہے کہ ہندوستان کے دیگر علاقوں کے مقابلے میں اردو زبان نے پہلے

1- قدیم اردو ص 168,167

2- ایضاً ص 70

پنجاب میں جنم لیا اور پرورش پائی جو صدیوں کا سفر طے کرتی ہوئی دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں علمی اور ادبی زبان کا روپ اختیار کر گئی۔

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی زبان کے صاف ستھرا اور عام فہم ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اردو زبان جس قدر پنجابی زبان کے قریب ہے اور کوئی زبان اس قدر قریب نہیں۔ ان دونوں زبانوں کی نہ صرف لغت بلکہ گرائمر بھی بہت حد تک یکساں ہے۔ اسی لئے بعض اوقات چند الفاظ کی تبدیلی اسے اردو سے پنجابی اور پنجابی سے اردو کے جملے بنائے جا سکتے ہیں۔

اس پس منظر میں نوشہ گنج بخشؒ کی اردو شاعری کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ اُن کا اردو میں جس قدر زیادہ کلام موجود ہے اُن سے پہلے اردو میں کسی صوفی شاعر کا نہ تو اس قدر زیادہ کلام ہے اور نہ ہی اتنی زیادہ گیرائی اور گہرائی کہیں نظر آتی ہے۔ اس اعتبار سے نوشہ صاحبؒ کو بلاشبہ پہلے صاحب دیوان شاعر قرار دیا جا سکتا ہے۔

O

اردو زبان کی ابتداء اور ارتقاء ایک دلچسپ موضوع ہے۔ لسانیات کے ماہرین و محققین نے اردو کی جنم بھومی سے متعلق مختلف نظریات پیش کئے ہیں۔ دکن، سندھ، دوآبہ، گنگا جمنا اور پنجاب کے حوالے سے اردو کے آغاز کا سہرا مختلف اوقات میں ان علاقوں کے سر باندھا جاتا رہا۔ بعض محققین نے اس کا سلسلہ آریہ سے قبل وادی سندھ کے باشندوں (دراوڑوں) سے جوڑا ہے۔ ہر محقق نے اپنے موقف کی تائید میں جس قدر محنت اور دیانتداری سے دلائل پیش کئے ہیں اُن کی داد نہ دینا انصاف کے خلاف ہوگا۔ لیکن اصل بات جو واقعی قابل تعریف ہے وہ یہ ہے کہ اس بحث و تمحیص میں بہت سی نئی چیزیں، سکے، قدیم کتب، مخطوطے اور پتھر کی سلیں سامنے آئی ہیں۔ اُن محققین نے قدیم ترین ماخذات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے مختلف لائبریریوں، ذاتی کتب خانوں اور عجائب گھروں کا رُخ کیا۔ صدیوں پرانے خستہ حال قلمی نسخوں

کے شکستہ رسم الخط کو بہزار دقت پڑھا۔ قدیم الفاظ کے معانی تلاش کرنے میں بڑی محنت سے کام کیا۔ جب کسی نے کوئی نئی بات یا انمول موتی تلاش کیا تو کولمبس کی طرح پالیا پالیا کا نعرہ بلند کیا۔

ایک زمانے میں ولی دکنی کو اردو کا پہلا شاعر سمجھا جاتا تھا۔ پھر تحقیق کے بعد قلی قطب شاہ کو پہلا صاحب دیوان شاعر تسلیم کیا گیا۔ قلی قطب شاہ (1580ء تا 1611ء) کے کلام کے متعلق مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

''جہاں تک تحقیق نے رسائی حاصل کی ہے۔ یہ کلام اردو میں سب سے قدیم ہے۔'' (1)

لیکن مولوی عبدالحق کے لہجہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں خود بھی اس تحقیق پر یقین نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے صاف لکھا:

''محمد قلی قطب شاہ کے کلام کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل ابتدائی کلام اردو کا نہیں ہے۔ اس حد تک پہنچنے کے لئے ضرور ہے کہ اس سے پہلے بہت سے عاشق مزاجوں اور موزوں طبع لوگوں نے صرف شعر کی کوچہ گردی کی ہو اور اپنی مشاقی اور طبع آزمائی سے غزل، مثنوی، قصیدے اور دیگر اصناف سخن کو اس درجہ تک پہنچایا ہو جو ہم محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں دیکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس قابل قدر بزرگوں اور اردو کے سچے محسنوں میں سے کسی کا کلام اب تک دستیاب نہیں ہوا۔'' (2)

قلمی قطب شاہ واقعی قدیم شاعر ہے۔ وہ دکن کا سلطان تھا۔ اس اعتبار سے اُسکے دیوان کا کسی نہ کسی طرح کہیں نہ کہیں محفوظ رہنے کا جواز ملتا ہے۔ لیکن اُس سے قبل کس قدر اردو کے عظیم شعراء گزرے ہوں گے اُن کا کچھ پتا نہیں کیونکہ وہ ہنوز گمنامی

1- قدیم اردو ص 172

2- ایضاً ص 173

کے پردوں کے پیچھے نہاں ہیں۔ اُن کا کلام دستیاب نہ ہونے کا دُکھ مولوی عبدالحق کو بھی ہے۔ جبکہ حافظ محمود شیرانی نے اپنی معرکہ آرا تصنیف ''پنجاب میں اردو'' لکھنے کا ارادہ کیا تو یہ حقیقت اُن کے ذہن میں تھی:

> ''مضمون اگرچہ دلچسپ ہے لیکن اس پر ہماری موجودہ معلومات کی روشنی میں قلم اٹھانا قبل از وقت معلوم ہوتا ہے اور صحیح اطلاعات کی بہم رسانی کے لئے شاید ابھی ایک عرصہ درکار ہوگا۔''(1)

اردو ادب کا لسانیاتی اور شعری مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ بات یقیناً خوشی کا باعث ہوگی کہ قلی قطب شاہ کی عمر سے بڑے اور فکروفن کے میدان میں آگے ایک بزرگ حضرت نوشہ گنج بخشؒ قادری کے اشعار کا مجموعہ مل جانے سے ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے۔ تحقیق کے لئے نئی جہتیں سامنے آئی ہیں۔ نوشہ گنج بخشؒ کے کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد قلی قطب شاہ کا دیوان دیکھا جائے تو قاری کو نوشہ گنج بخشؒ کا کلام فکر، فن اور مضامین کے تنوع کے اعتبار سے زیادہ بھرپور اور صاف نظر آئیگا۔ پنجاب یونیورسٹی لائبیری میں موجود ''گنج شریف کے ماخذ'' قلمی نسخے پر سب سے پہلے قاضی عبدالغنی کوکب مرحوم کی نظر پڑی تو انہوں نے شرافت نوشاہی مرحوم کو یہ نادر مخطوطہ دکھایا اور اُس پر کام کرنے کا مشورہ دیا۔ شرافت نوشاہی نے اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

> '' قاضی عبدالنبی کوکب صاحب کی معرفت مجھے کتب خانہ دانشگاہ پنجاب لاہور کو دیکھنے کا موقعہ ملا اور وہاں کی بیاضوں اور مخطوطات سے مجھے حضرت نوشہ صاحبؒ کا کافی کلام دستیاب ہوا۔ جسے جمع کرنے میں میرا ایک سال صرف ہوا۔ اُس کے بعد اسکی ترتیب و تدوین میں دو سال صرف ہوئے۔''(2)

1- حافظ محمود شیرانی: پنجاب میں اردو طبع دوم، مقدمہ، ص الف

2- انتخاب گنج شریف ص 59

نوشہ صاحبؒ کے اس کلام کے گہرے مطالعے سے اس کی اہمیت کھل کر سامنے آتی ہے۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے انہی کا کلام نہ ملنے پر مولوی عبدالحق نے افسوس کا اظہار کیا ہو اور حافظ محمود شیرانی نے بھی انہی کے کلام کی دستیابی کی تمنا کی ہو۔

حضرت نوشہ صاحبؒ کا زمانہ شاہ جہاں کا دور حکومت ہے۔ آپ کا تعلق پنجاب سے تھا۔ آپ یہاں ہی پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم حاصل کی اور دفن ہوئے۔ آپ نے ساری زندگی دین اسلام کی تبلیغ اور تصوف کی تعلیم میں بسر کی۔ آپ کے کلام کا مطالعہ حافظ محمود شیرانی مرحوم کے ''پنجاب میں اردو'' کے نظریئے کے لئے مزید مواد، مزید دلائل اور مزید ثبوت فراہم کرتا ہے۔ گنج شریف کے دیباچے میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے حافظ محمود شیرانی کی اس بات کو دہرایا ہے کہ پنجاب میں اردو شاعری دکن کے بعد اور دلی کے معاصر شروع ہو جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''گنج شریف کے مل جانے سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اردو شاعری پنجاب میں دکن کے بعد نہیں شروع ہوئی اس کے ساتھ ساتھ شروع ہوئی ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ اس سے بھی پہلے۔ کیونکہ گنج شریف میں محمد قلی قطب شاہ کے کلام کے مقابلے میں زیادہ پختہ اور ترقی یافتہ زبان کے نمونے موجود ہیں۔''(1)

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر بولی علاقائی اثرات ضرور قبول کرتی ہے۔ قدیم اردو نے دکن، سندھ اور پنجاب سے بہت کچھ لیا ہے۔ پنجابی زبان کو اردو کی ماں تسلیم کیا جائے یا نہ کیا جائے، لیکن اس امر سے انکار کسی صورت بھی ممکن نہیں کہ پنجابی نے قدیم اردو پر بے حد گہرے اور بہت زیادہ اثرات مرتب کئے ہیں۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا کلام ان اثرات کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ اثرات اسمار، افعال، اضمار، املاء، تلفظ، واحد جمع اور تذکیر و تانیث تک پھیلے ہوئے ہیں۔

1- انتخاب گنج شریف ص 13

اردو اور پنجابی میں ''افعال اور اسماء'' کے درمیان جو اشتراک ہے، اُس کے متعلق حافظ محمود شیرانی نے اپنی کتاب ''پنجاب میں اردو'' میں کھل کر بحث کی ہے۔ اگر نوشہ صاحبؒ کے کلام کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کیا جائے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ قدیم ترین اردو آج کی پنجابی زبان سے کس قدر ملتی جلتی ہے۔ مثلاً نفی کے کلمے نہ، نہیں قدیم اردو میں نانہہ کی املاء اور تلفظ سے لکھے اور بولے جاتے ہیں۔ آج کی پنجابی زبان میں یہ لفظ اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔

جو کچھ ہوا دیکھئے سو ہوا سپنے مانہہ
سپنے سویا جاگیا سپنا آوے جانہہ [(1)]

نوشہ گنج بخشؒ کے کلام گنج شریف کا مطالعہ خالص لسانی نقطہ نظر کے حوالے سے بہت دلچسپ ہے۔

1- نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں اکثر جگہوں پر عوامی لہجے کو ترجیع دی ہے۔ وہ عربی ، فارسی کے بلند مرتبہ عالم تھے، لیکن انہوں نے عربی فارسی الفاظ کا تلفظ پنجابی عوام کی بولی کی طرح استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ اُن کے مخاطب لوگ دیہاتی عوام تھے۔ یہاں چند الفاظ کے تلفظ پیش کئے جاتے ہیں۔

لفظ	تلفظ	لفظ	تلفظ
سِیکھ	شیخ	کتیب	کتاب
آچھا	اچھا	اُودھر	اُدھر
کلگی	کلغی	کمجات	کم ذات
جات پات	ذات پات	گریب	غریب
ایہی	یہی	ایدھر	اِدھر

1- انتخاب گنج شریف ص285

آجات	آزاد	ناؤ	ناؤں۔نام
ندان	نادان	باجاری	بازاری
بتیروں	بہتیروں	بیا	دوسر۔مزید (سرائیکی لہجہ)
مٹھّیائی	مٹھائی	باشا	بادشاہ

-2 نوشہ صاحبؒ کے کلام میں ہندی تراکیب میں ''الف'' نفی کے کلمے کے طور آتا ہے۔اور ''نہ'' کے معنی دیتا ہے۔مثلاً

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
امَٹ	نہ مٹنے والا ،نہ مرنے والا	اَبھالا	نہ مل سکنے والا
اَبھئے	بے وقوف	اَبھیکھ	بے شکل۔جس کی کوئی شکل نہ ہو
اَٹل	ناگزیر، جوٹل نہ سکے	اَدیکھ	جو دیکھا نہ جا سکے
اَروگ	تندرست۔جسے کوئی روگ نہ ہو	اَریکھ	جسکی حقیقت معلوم نہ ہو سکے
اَسدھ	جوسدھ نہ ہو۔غلط	اَسوگ	جسے کوئی سوگ نہ ہو
اَکال	غیر فانی	اَلب	جو نہ مل سکے
اَلوبھ	بے لالچ،مخلص		

نوشہ صاحبؒ نے اِسی حرف نفی یعنی ''الف'' کے ساتھ الفاظ کے الٹ (متضاد) بھی بنائے ہیں۔مثلاً:

اجانی جانی کا متضاد، ناواقف نہ جاننے والا

اگیانی گیانی کا متضاد، جسے گیان نہ ہو یعنی جاہل

-3 نوشہ صاحبؒ واحد سے جمع بنانے کا ایک عجیب گر استعمال کرتے ہیں۔یعنی واحد کے آگے ''ن'' کا اضافہ کر دیتے ہیں۔جیسے

واحد	جمع	واحد	جمع
درویش	درویشن	راجہ	راجن

شاہ	شاہن	کشٹ	کشٹن (تکلیف)
لاکھ	لاکھن	پیر	پیرن
ادھیر	ادھیرن (عاجز)	میر	میرن

4- نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں فارسی افعال کے ساتھ ہندی کے امدادی افعال بھی استعمال کئے ہیں۔ مثلاً گفت ہیں (کہتے ہیں) اسی طرح حرف اضافت ''کا'' کی بعض جگہ جمع بھی ملتی ہے۔ مثلا اُس کا، کی بجائے اُس کیاں وغیرہ

5- نوشہ صاحبؒ کے کلام میں استعمال ہونے والے بہت سے مصادر یا تو پنجابی زبان کے ہیں یا پھر اُن پر پنجابی اثرات ہیں۔ جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں مستعمل اردو، موجودہ پنجابی سے کس قدر نزدیک ہے۔ یاد رہے یہ زبان اردو کے قدیم نمونوں میں سے ہے۔ اُن مصادر کو دیکھتے ہوئے شیرانی کے نظریہ پنجاب میں اردو کو صحیح تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے چند مصادر پیش ہیں۔

مصدر	معنی	مصدر	معنی
آوت	آنا	بتاونا	بتانا
ابارن	رہا کرنا	بھٹکن	بھٹکنا، گمراہ ہونا
بولن	بولنا، گفتگو کرنا	پاون	ڈالنا
جمن	پیدا ہونا، جمنا	دیون	دینا
دیونا	دینا	ڈولن	ڈولنا
سناون	سنانا		

6- نوشہ صاحبؒ کے کلام میں بہت سے اسم، فعل اور صفت ایسے ہیں جو آجکل بھی پنجابی زبان میں نہایت فراوانی سے استعمال ہوتے ہیں۔ ایسے اسم یا فعل پنجاب کے لوگوں کے لئے اجنبی نہیں ہیں۔ اردو کے آغاز میں ایسے اسم اور

فعل وغیرہ بے تکلفی سے استعمال ہوتے تھے۔ ان سے اردو اور پنجابی کے قدیم روابط کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً

فعل	معنی	کچھ مزید اسم صفت	
جرے	برداشت کرے	رُکھ	درخت
بہنا	بیٹھنا	جیاجنت	بال بچے، گھر کے افراد
اٹک جانا	رک جانا	اوہلا	پردہ
دکھاوے	دکھائے	بہاری	جھاڑو
بھاناں	پسند آنا	بھانڈے	برتن
چوے	ٹپکے	بھکھ	بھوک
ڈھاوے	گرائے	بھکھاری	گداگر، بھکاری
روسیں	روٹھ جائیں	پدھر	ہموار سطح
کاڈھ	نکال، تلاش	پندھ	سفر
گاوے گا	گائے گا	سوجاکھا	دیکھنے والا
گھول گھماواں	قربان کردوں	لون	نمک
تاہنگھ	انتظار	چھاں	سایہ
لاہنگے	گزرے	ساہ	سانس
پھڑی	پکڑ لی	کوڈی	کوڑی

7- نوشہ صاحبؒ کا کلام سترھویں صدی عیسوی اور گیارھویں صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے۔ اسے اردو کے دستیاب قدیم ترین شعری نمونوں میں سے ایک ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کے کلام میں بہت سے ایسے الفاظ دکھائی دیتے ہیں جو آج کل متروک اور غیر مانوس ہیں۔ ان الفاظ میں سے مُشتے از خروارے کے طور پر پیش ہیں۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
آپا	اپنا آپ	ایہاں	یہاں
اِت سار	اس طرح	پیکھن	دیکھنا
اندھلوں	اندھوں	تہارو	تمہارا
ایتۂ	یہاں	ڈارے	ڈالدے
بو	وہ	کوں	کو
تمر	تم	کت	کہاں، کدھر
تیرو	تیرا	کینا	کیا
جِت	جہاں کہاں	ماں، مانہہ	میں
سوں	سے	موہ فقیر	مجھ فقیر، میں فقیر
کا	کُچھ	یاکوں	اس کو
اِت بِدھ	اس طرح	لینا	لیا
ایکسان	یکساں	مو(موہ)	میں
ان رس	بے رس	یا کی	اس کی
ایسو	ایسا	پاچھے	پیچھے

نوشہ صاحبؒ کے کلام کا تقابلی جائزہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس زمانے میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ اپنے اردو کلام کے ذریعے رشد و ہدایت کے چراغ روشن کر رہے تھے، آپ کے علاوہ اور بھی بہت سے شاعر پنجاب اور پنجاب سے باہر خاص طور پر دکن میں اردو شاعری کر رہے تھے۔لیکن آج اُن میں سے اکثر شعرا کا کلام دستیاب نہیں ہے۔ اس لئے یہ فیصلہ کرنا بے حد دشوار ہے کہ اُن گمنام شعراء میں سے کون کون خالص فکری اور فنی طور پر کس مقام اور حیثیت کا حامل ہے۔ ان حالات میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے کلام کا دستیاب ہو جانا

کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ نوشہ صاحبؒ اور دکنی شعراء کے کلام سے ایک جاندار اور شاندار ادبی روایت کا پتا چلتا ہے۔ ادبی روایت کبھی بھی کسی ایک شخص کی کوششوں سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ بہت سے اشخاص مل کر ادبی فضا قائم کرتے ہیں۔ چنانچہ اس جاندار ادبی فضا کو پروان چڑھانے میں ان گمنام شعراء کے حصے کو فراموش نہیں کیا جا سکتا جن کا کلام ہنوز دستیاب نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان گمنام شعراء کے متعلق تعریفی کلمات کہنے کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا، نہ ہی اُن کا کسی اور شاعر کے کلام سے تقابلی تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک قدیم زمانے کے کچھ معلوم شاعروں کا تعلق ہے۔ ان میں سے اکثر شاعروں کا زیادہ کلام نہیں ملتا۔ دستیاب کلام کے حوالے سے سب سے زیادہ اور جاندار کلام محمد قلی قطب شاہ (1580ء تا 1611ء) کا ہے۔ جو اردو شاعری کے قدیم نمونوں میں سے ایک تسلیم کیا جاتا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کی شاعری کے متعلق بحث کرتے ہوئے نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں۔

'' کلیات محمد قلی میں سارے اصناف سخن، مثنویاں، قصیدے، مرثیے، غزل، ترجیع بند اور رباعیات سب کچھ شامل ہے۔''(1)

محمد قلی قطب شاہ کے کلام پر یہ ہیئت کے اعتبار سے ہاشمی صاحب کی رائے تھی۔ اب ذرا فکری سطح کا جائزہ دیکھئے۔

'' آج کل کے عشقیہ کلام سے اس کا مقابلہ کیا جائے تو واضح ہوگا کہ اس کا دیوان بھی وہی گل و بلبل، شاہد و ساقی کی پرانی داستان کا دفتر ہے۔ البتہ اس زمانے کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی زبان وہ نہیں جو داغ اور ذوق کی ہے۔''(2)

1- نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو، طبع پنجم مکتبہ ابراہیمیہ دکن 1926ء ص49

2- ایضاً ص50

بلاشبہ قلی قطب شاہ کا کلام اپنی قدامت اور طرز ادا کے باوجود دلچسپی سے خالی نہیں۔ اس کے کلام میں اُس زمانے کی عکاسی ، رسم و رواج کی منظر کشی ،تہواراں کی تصویر کشی اور مختلف اضاف کی رنگا رنگی موجود ہے۔ سب سے اہم خصوصیت تصوف کی چاشنی ہے:

''خصوصیت سے محمد قلی قطب کا کلام تصوف سے مملو ہے۔ اُس نے خواجہ حافظ کے طرز پر اپنی غزلوں میں تصوف اور عرفان کے مضمون باندھے ہیں۔''(1)

دوسری جانب حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا کلام خالصتاً تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور ان کا تصوف خالص اسلامی تصوف ہے۔ وہ کسی فارسی شاعر یا مقامی شاعر سے متاثر دکھائی نہیں دیتے۔ اس کا بیّن ثبوت اُن کا صوفیانہ کلام ہے۔ جس میں اسلامی تصوف کے علاوہ اور کسی قسم کا کوئی مضمون موجود نہیں۔ وہ ایک صوفی اور درویش تھے۔ اُن کا تصوف قال نہیں بلکہ سراسر حال ہے۔ تصوف کے بارے میں ایک عمومی تصور یہ ہے کہ شاعری کے کھیت میں تصوف کا بیج خواجہ میر درد نے بویا تھا۔ میر درد کا اپنا دعویٰ ہے:

پھولے گا اس زبان میں گلزار معرفت
یاں میں زمین شعر میں یہ تخم بوگیا

خواجہ میر دردؔ (1133ھ ۔ 1199ھ)(2) قابل احترام صوفی شاعر تھے۔ لیکن معذرت کیساتھ اُن کے اس دعویٰ سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ نوشہ صاحبؒ کے کلام سے واضح ہوتا ہے کہ خواجہ میر درد سے تقریباً ایک صدی قبل نوشہ صاحبؒ نے حقیقی معنوں میں زمین شعر میں تصوف کی تخم ریزی کی تھی۔ بلکہ اس میدان میں ایسے

1- دکن میں اردو ص 58

2- رام بابو سکسینہ: تاریخ ادب اردو۔ پنجاب پریس لاہور 1929ء ص 142

ایسے گلہائے رنگا رنگ کھلائے تھے جن کی خوشبو سے آج بھی گلستان تصوف مہک رہا ہے۔ اس نکتے کو بیان کرنے سے خواجہ میر دردؔ کے مرتبے کو کم کرنا ہرگز مقصود نہیں، بلکہ ایک حقیقت کو سامنے لانا مقصود ہے۔ کیونکہ:

کہتے ہیں کہ اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

نوشہ صاحبؒ کا کلام تصوف کے نقطہ نظر سے خواجہ میر درد کے کلام سے بہت ممتاز نظر آتا ہے۔ یہ الگ پہلو ہے کہ نوشہ صاحبؒ کا انداز قدامت کا حامل ہے جبکہ خواجہ میر درد کی زبان صاف، با محاورہ اور ادبی چاشنی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ دراصل خواجہ میر درد کی زبان نوشہ صاحبؒ کے سو سال بعد کی زبان ہے جو منجھ کرشستہ، رفتہ اور شگفتہ بن چکی تھی۔ خواجہ میر درد کے کلام کی یہ کیفیت ہے تو پھر قلی قطب شاہ اور نوشہ صاحبؒ کے کلام میں موجود تصوف کے مضامین کا تقابلی جائزہ لینا اور بھی آسان ہو جاتا ہے۔

قلی قطب شاہ کا تعلق شاہی خاندان سے تھا اور وہ گولکنڈہ کا سلطان تھا۔ جبکہ نوشہ صاحبؒ دیندار، صوفی بزرگ تھے۔ جن کا کسی شاہی دربار یا حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ چنانچہ نوشہ صاحبؒ اور قلی قطب شاہ کی صوفیانہ شاعری میں یہی واضح فرق ہے جو ایک بادشاہ اور فقیر کے تصوف میں ہوسکتا ہے ہم یہاں اپنی سہولت کے لئے قال اور حال کی اصطلاحات سے اسے واضح کر سکتے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

ہم درویش اللہ کے درویشی جانیں
راجے پرجے کسی کی ہر آن نہ مانیں(1)

قل قطب شاہ کا شعر ہے:

کفر ریت کیا ہور اسلام ریت
ہر یک ریت میں عشق کا راز ہے

اس شعر کی تعریف میں مولوی عبدالحق مرحوم نے لکھا ہے:

1- انتخاب گنج شریف ص 36

''یہ شعر اردو کے منتخب اور اچھے اشعار کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔''(1)

نوشہ صاحبؒ نے عشق کے اس راز کو یوں ظاہر کیا ہے:

جیسے لا مکان خدا تیسے لا مذہب فقراء (2)
ہر مذہب موں پھریں فقیر ایک جان کر پاویں دھیر
سب مذہب ایک مذہب جانیں جو جانیں سو تن مانہہ آنیں

قلی قطب شاہ نے حمدیہ اور نعتیہ اشعار بھی کہے ہیں۔ مگر نوشہ صاحبؒ اور اُس کے اشعار میں بہت فرق ہے۔ قلمی قطب شاہ کا شعر ہے:

کروں ابتدا حمد کرتار کا
کہ منعم ہے کرتار سنسار کا (3)

اس کے مقابلے میں نوشہ صاحبؒ کے یہ شعر دیکھئے:

اے اللہ رحمٰن رحیم اے رازق فتاح کریم (4)
تجھ سوں ہوا جیا جنت لا الـــــہ الا انـــــت
پالنہار سنسار کے داتا رب دھنی عالم کل فقیر ہے توں داتار دھنی (5)

نوشہ صاحبؒ کا زور کلام اور انداز تصوف جاننے کے لیے چند مزید اشعار ملاحظہ کیجئے:

1- قدیم اردو ص179
2- انتخاب گنج شریف ص198
3- قدیم اردو ص193
4- انتخاب گنج شریف ص63
5- ایضاً ص66

ہمہ اوست تشبیہہ ہے ہمہ از وست تنزیہہ [1]
ان دونوں میں پایئے نوشہ حق صحیح

o

ہمہ اوست تو حال ہے پیارے قال موں آوے ناہیں [2]
کہن سنن کرنے موں آوے ہمہ ازوست مت باہیں
باطن اوست ازوست وہ ظاہر مرشد بھید چتارا

o

ہمہ اوست کا بیج لگایا ہمہ ازوست ہو پھولا [3]
روپ اروپ آون جاون کا مورکھ بیج موں بھولا
بوٹا ہوا پھول پھل لاگا ، پھر وو ہے بیج اوتارا

o

ہمہ اوست تو حال ہے ہمہ ازوست ہے قال [4]
نوشہ کہے سُن پیارے اور نہ حال نہ قال

حقیقت یہ ہے کہ نوشہ صاحبؒ کا کلام قلی قطب شاہ کے کلام کے مقابلے میں نہ صرف مضامین تصوف کے اعتبار سے زیادہ صاف اور واضح ہے بلکہ ذخیرہ الفاظ، بیان کرنے کا انداز، تصوف کے مسائل اور فکری انداز، قلی قطب شاہ سے بدرجہا بہتر ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے نوشہ صاحبؒ کے کلام کی عظمت کا اعتراف ڈاکٹر سید عبداللہ نے بھی یوں کیا ہے:

1- انتخاب گنج شریف ص206
2- ایضاً ص207
3- ایضاً
4- ایضاً ص208

''گنج شریف میں محمد قلی قطب شاہ کے کلام کے مقابلے میں زیادہ پختہ
اور ترقی یافتہ زبان کے نمونے موجود ہیں۔''(1)

قلی قطب شاہ کے دور کے دیگر شعراء مثلاً عبداللہ قطب شاہ (1023ھ۔1083ھ)، تانا شاہ (گولکنڈہ کا آخری سلطان)، ملاوجہی، ابن نشاطی، طبعی وغیرہ کا کلام بھی تصوف کے اعلیٰ مضامین اور فنی نقطہ نظر کے اعتبار سے نوشہ صاحبؒ کے کلام سے میل نہیں کھاتا۔ اسی دکھنی دور کے شعراء میں سے ملا وجہی بلا شبہ ممتاز شاعر ہے۔ مگر ملا وجہی کے کلام میں وہ روانی نظر نہیں آتی جو نوشہ صاحبؒ کے کلام کا نمایاں وصف ہے۔ ملا وجہی کے اشعار دیکھیئے:

غرض ایسی باتاں سوں کیا ہے تجھے
نصیباں منے تھا سو انپڑیا منجھے(2)
نہ کوئی عشق کوں لیا نہارا اَہے
کہ یو عشق آپے آنہارا اَہے
جہاں عشق ہے واں ہے حیران سب
اَخل ہور فہم سو بدگمان سب

ان کے مقابلے میں ذرا نوشہ صاحبؒ کے اشعار دیکھئے جو روانی اور وضاحت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ پُر مغز بھی ہیں:

جو کچھ ہوا دیکھئے سو ہوا سپنے مانہہ(3)
سپنے سویا جا گیا، سپنا آوے جانہہ

1- انتخاب گنج شریف۔ پیش لفظ۔ ص 13
2- قطب مشتری ص 7-70، بحوالہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند۔ دانشگاہ پنجاب لاہور جلد 4 ص 103,104
3- انتخاب گنج شریف ص 285

سپنا بھرمن بھٹکنا ، سپنا سانت سانہہ
سپنا سپنا دیکھنا ، سپنا سپنا مانہہ

نوشہ گنج بخشؒ کا شمار پنجاب کے بلند درجہ صوفیاء میں ہوتا ہے۔ اُن کا کلام سراسر تصوف کا خزانہ ہے۔ اس لئے اُن کے صوفیانہ کلام کا تقابل قطب شاہی یا عادل شاہی دور کے شاعروں کی مثنویوں ، رزمیہ نظموں ، مرثیوں یا غزلوں سے عجیب سا لگتا ہے۔ فکر وفن کا واضح فرق نوشہ صاحبؒ کی شاعرانہ عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

جہاں تک نوشہ صاحبؒ کے دور یا اُن سے قبل کے ادوار کے صوفی شعراء اور مشائخ کا تعلق ہے، اُن میں سے چند ایک بزرگ ایسے ہیں جن کا کوئی ایک آدھ شعر کسی تذکرے میں ملتا ہے جسے قدیم شاعری کے نمونے کے طور پر محفوظ کر لیا گیا ہے اور اسی نقطہ نظر سے اُن کا ذکر ادبی تاریخوں اور تذکروں میں کیا ہے۔ جیسے بابا فرید گنج شکرؒ (وفات 1265ء) اور سید محمد جونپوری (وفات 1504ء) جیسے اکابرین کا ذکر شاعر کی حیثیت سے کم لیکن صوفی کی حیثیت سے زیادہ ملتا ہے۔ جبکہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ اپنی صوفیانہ حیثیت کے علاوہ اپنے فکروفن ، کثرت اشعار اور خالص صوفیانہ شاعری کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے کلام کا امتیازی پہلو

1- نوشہ صاحبؒ کے کلام میں بیان ہوئے موضوعات اُن کے دور کے باقی شعراء کے موضوعات سے نسبتاً بہت زیادہ ہیں۔ اُن کا شعری کینوس بہت وسیع ہے۔ وہ قادرالکلام شاعر ہیں۔ انتخاب گنج شریف کے صفحہ پانچ سے دس تک ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے تقریباً ڈیڑھ سو سے زیادہ عنوانات پر اشعار لکھتے ہیں۔ جن میں چند ایک عنوانات یہ ہیں:

حمد ساگر، توحید، آدانت، بہروپ، بیرنگ، شان تنزیہہ و تشبیہہ، صفات و

ذات، قدرت، مناجات، فقیر، نعت، علی مرتضیٰ، غوث دیدار، مرشد سیوا، مرشد راہ، گورو سنت، خوف و رجا، محمدی راہ، حال قال، ریا کاری، بندھن، مُکت، وحدت نامہ، نربان، منت شہانا، یادخدا، ذکر وفکر، نہی عن المنکر، یوگ ودیا، پل صراط، زبان و دل، شاہد ومشہود، فنا، لطائف ستہ، نصیحت، لا قیدیت اور فنا فی اللہ وغیرہ۔

-2 نوشہ صاحبؒ کے کلام میں بعض مقامات پر عنوانات کے ساتھ ساتھ مختلف راگوں کے نام بھی ملتے ہیں۔ مثلاً راگ دھنا سری، راگ بلاول، راگ پوری، راگ مارو، راگ گوری، راگ تلنگ وغیرہ۔ یہ خصوصیت ہمیں اردو کے بعض شعرا کے کلام میں بھی نظر آتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ راگ کو سامنے رکھ کر شاعر کے لئے شعر کہنا دشوار نہیں ہوتا لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک صوفی شاعر جب شعر کہتا ہے تو اُس کا مقصد صرف شاعری کرنا ہی نہیں ہوتا بلکہ اُس کے پیش نظر اپنے عقائد کا پرچار، دین اسلام کی تبلیغ اور انسانیت کی فلاح و بہبود ہوتا ہے۔ اس لیے وہ فن سے زیادہ فکری پہلو پر زیادہ زور دیتا ہے۔ لیکن عوام شاعری کو صرف تبلیغی یا دینی مقاصد کے لئے ہی نہیں سنتے بلکہ فنون لطیفہ کے ذریعہ اپنے جذبات کی تسکین کا سامان بھی چاہتے ہیں۔ اگر کوئی صوفی شاعر اپنی اصلاحی، فکری اور تبلیغی شاعری کے لئے عوام کی پسند کا بھی خیال رکھے تو وہ اپنے کلام سے نہ صرف عوام کے لئے روحانی تسکین کا سامان فراہم کرسکتا ہے بلکہ اپنے کلام کے ذریعے مطلوبہ مقاصد بھی آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر وہ دیگر شعراء سے امتیاز حاصل کرسکتا ہے۔ نوشہ صاحبؒ کا کلام ان صفات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

-3 نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں بہت سی بحریں استعمال کی ہیں۔ اُن کے ہم عصر شعراء کے کلام میں بحروں میں اس قدر بوقلمونی دکھائی نہیں دیتی۔ بقول

اقبال مجددی ''نوشہ صاحبؒ نے اردو کلام پچیس اوزان میں لکھا ہے۔''[1] ان کے کلام میں عروض کا ہندی طریقہ پنگل استعمال ہوا ہے۔ اس طریقے میں عربی بحروں کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ صرف بول کا خیال رکھا جاتا ہے۔ شعری ضرورت کے تحت بعض اوقات بولوں کو کم یا زیادہ بھی کر لیتے ہیں۔ ہندی عروض کا طریقہ پنگل کا نظام ،موسیقی کے راگ اور راگنیوں کے تابع ہے۔ اس لئے اس میں الفاظ کے ساکن یا متحرک ہونے کی بجائے عوامی لہجے اور صوت کا خیال رکھا جاتا ہے۔

نوشہ صاحبؒ کے اردو کلام میں ہمیں ہندی طریقہ عروض نظر آ تا ہے۔ پنگل کے نظام کی باریکیوں کو جاننے والے یہ کلام دیکھ کر بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اس کلام میں کس قدر سلاست ، روانی اور نغمگی موجود ہے۔

4- نوشہ صاحبؒ کے کلام میں اُس دَور کے دیگر صوفی شعراء کی نسبت تصوف کا رنگ زیادہ گہرا ہے۔ انہوں نے تصوف کے مختلف مسائل پر بھر پور روشنی ڈالی ہے۔ اس بنا پر اگر انہیں اردو شاعری کا پہلا با قاعدہ صوفی شاعر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اُن کے کلام میں تصوف قال نہیں بلکہ سراسر حال ہے۔ وہ زندگی سادہ طریقے سے گزارنے ، مذہب پر عمل کرنے ، ہر کسی سے محبت کرنے ،مرشد کے فرمان پر عمل کرنے ، ہر وقت اللہ کو یاد کرنے ، کسی کو اذیت نہ پہنچانے ، درویشی اپنانے اور آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یوں اُن کی شاعری کا تانا بانا مذہب اور خاص طور پر تصوف کے تارو پود سے ترتیب پاتا ہے۔

نوشہ صاحبؒ تصوف کی ظاہری اور سطحی باتیں نہیں کرتے۔ وہ قارئین کو صوفیانہ اصطلاحات کے معنی سمجھانے کے ساتھ ساتھ اُسکی باریکیوں اور حقائق

1- انتخاب گنج شریف ، دیباچہ ص 33

سے بھی آ گاہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر صوفیائے کرام میں مسئلہ جبر و قدر، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود جیسے مسائل میں اختلاف رائے موجود ہے۔ چنانچہ نوشہ گنج بخشؒ ہر مسئلے پر اس انداز سے روشنی ڈالتے ہیں کہ اُن کا کلام پڑھ کر کسی قسم کا ابہام نہیں رہتا۔ ہر پیچیدہ مسئلہ کھل کر سامنے آ جا تا ہے اور اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی۔ ان کے چند اشعار دیکھئے جن میں وحدت الوجوداور وحدت الشہود پر دوٹوک اور واضح انداز میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

جب تو ہی باطن توہی ظاہر   تب کسے جانیں تجھ سے باہر
جہاں تو تہاں تیرے لوک   ساگر لہر دویو ایک ہی تھوک
جس میں بسے توں صاحب دھنی
تس کی کون اٹھاوے انی(1)

مزید لکھتے ہیں:

لاکھ کروڑ مانہہ ایک ہی ایک   ایک ایک مانہہ ایک انیک
دوجا ہو تو لکھے الکھ   تو ہی ایک انیک پرتکھ
تو ہی بول تو ہی بولن ہار   توہی بولن ہار اپار
توہی باجا توہی بجنتر   توہی راگ توہی تار توجنتر
توہی سمجھے توہی سمجھائے   سمجھ بوجھ پھر تو ہی بتائے
تو درپن جگ دیکھن ہار
جیسا روپ تیسا دیدار
جیسے سمجھ تیسا تجھے جانے
جیسا تو تیسا کون پچھانے (2)

1- انتخاب گنج شریف ص196
2- ایضاً ص197

ہمہ اوست اور ہمہ از اُوست کے متعلق ایک اور مثال دیکھئے:

ہمہ اوست تشبیہہ ہے ہمہ از وست تنزیہہ [1]
ان دونوں میں پایئے نوشہ حق صحیح

پھر ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

ہمہ اوست کا بیج لگایا ہمہ ازوست ہو پھولا
روپ اروپ آون جاون کا مورکھ بیج موں بھولا
بوٹا ہوا پھول پھل لاگا پھر وو ہے بیج اوتارا[2]

5- اردو زبان کی پیدائش ، ارتقاء اور جنم بھومی کی بحث میں نوشہ گنج بخشؒ کی اردو شاعری (انتخاب گنج شریف) کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے گنج شریف کے آغاز میں سچی بات کہی ہے۔

''گنج شریف کے مل جانے سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اردو شاعری پنجاب میں دکن کے بعد نہیں شروع ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ شروع ہوئی ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ اس سے بھی پہلے۔''[3]

آگے چل کر سید صاحب فرماتے ہیں۔

''جہاں تک زبان کی پختگی اور تصنیف کا تعلق ہے اردو کا اولین گھر خطہ پنجاب تھا اور اب گنج شریف نے اس حقیقت کی ایسی توثیق کر دی ہے جس کی تردید نہیں ہوسکتی۔''[4]

6- نوشہ صاحبؒ کے کلام میں عربی سے اردو میں تراجم کے حیرت انگیز نمونے بھی

1- گنج شریف ص206
2- ایضاً ص207
3- ایضاً ص13
4- ایضاً ص14

ملتے ہیں۔ اُن کا کلام تلمیحات سے لبریز ہے۔ وہ آیات و احادیث کا اس انداز سے ترجمہ کرتے ہیں کہ اُس میں ترجمہ کے جملہ لوازم نظر آتے ہیں۔ مثلاً قرآن پاک کی ایک آیت ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا

ترجمہ: اللہ کسی کو اسکی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

نوشہ صاحبؒ نے اس کا منظوم ترجمہ یوں کیا ہے:

سب کوئی ویسا کرے جیسے لائق ہوئے
رب رحیم کریم سے نوشہ دُکھے نہ کوئے

ایک اور شعر ملاحظہ فرمائیے:

دے ہدایت آپ ہی آپے کرے گمراہ
سب کچھ اس کے آسرے کہے فقیر نوشاہ

اب کلام ربانی دیکھئے:

مَنْ یَّھْدِی اللّٰہ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَاھَادِی لہٗ o

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں بعض عربی ٹکڑوں کا ترجمہ اس قدر فصیح اور بلیغ ہے کہ پڑھنے والا تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً

الآن کَما کَانَ کا ترجمہ: جیوں کا توں (یعنی جیسا ہے ویسا تھا)

7- نوشہ صاحبؒ کا کلام ترکیب سازی کے لحاظ سے خاص انفرادیت کا حامل ہے۔ کلام کے مطالعے سے پتا چل جاتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ عربی، فارسی اور ہندی کے زبردست، عالم تھے۔ انھوں نے مختلف انداز سے الفاظ کی تراکیب بنائی ہیں:

(الف) ہندی الفاظ کے ساتھ ''ہارا'' لفظ کا اضافہ کر کے مثلاً

پالن ہارا (پالنے والا) بجھاون ہارا (بجھاون والا)

راکھن ہارا (رکھنے والا) کرن ہارا (کرنے والا)
کھیلن ہارا (کھیلنے والا) سنبھالن ہارا (سنبھالنے والا)

(ب) ہندی الفاظ کے ساتھ ''ہار'' لفظ کا اضافہ کر دیا ہے۔مثلاً

بلاون ہار (بلانے والا) دیکھن ہار (دیکھنے والا)
دین ہار (دینے والا) دیون ہار (دینے والا)
راکھن ہار (رکھنے والا) کراون ہار (کروانے والا)
کرن ہار (کرنے والا) وغیرہ

(ج) ہندی الفاظ کے ساتھ ''ہاری'' لفظ کا اضافہ کیا ہے۔مثلاً

دھن ہاری (دولت والا ۔امیر ،دولت مند)
میلن ہاری (ملانے والا)

(د) فارسی زبان میں اسم کے ساتھ فعل امر کے اضافے کے ساتھ اسم فاعل ترکیبی بن جاتا ہے۔مثلاً:

کارکن (کام کرنے والا) نعت خواں (نعت پڑھنے والا)
دوروں بین (اندر دیکھنے والا) تخت نشین (تخت پر بیٹھنے والا) وغیرہ

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے کلام میں ہمیں اِسی اصول کے تحت ہندی اسم کے ساتھ ہندی فعل امر ملا کر ترکیب سازی کی روایت ملتی ہے۔مثلاً

رکھیال (حفاظت کرنے والا ،رکھیا کرنے والا)
من مُکھ (کشف قلوب کرنے والا)
پکھ پال (حمایت کرنے والا)

(لا) بعض جگہ نوشہ صاحبؒ نے ہندی اسم اور فارسی فعل امر کے ملاپ سے اسم فعل ترکیبی بنائے ہیں۔مثلاً

سکھ ساز (تسلی دینے والا)

سیس نواز (عاجزی کرنے والا)

(و) عربی فارسی میں ''ی'' کے اضافے سے اضافت کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

جانی (جان کی) مالی (مال کی) حالی (حال سے متعلق)

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں اسکی مثالیں بھی موجود ہیں۔ حوالے کے لئے چند امثلہ پیش ہیں۔

یادی (یاد کرنے والا۔ ذاکر)

بخشی (بخشنے والا۔ فوج کی تنخواہ تقسیم کرنے والا)

خراباتی (شراب پینے والا)

خیری (بھلائی چاہنے والا) وغیرہ وغیرہ

علاوہ ازیں کچھ اور تراکیب بھی دیکھئے جو درج بالا طریقوں کے تحت نہیں بلکہ ان سے مختلف طریقے سے بنی ہیں۔ مثلاً

غنمن کار (کافر کا مال لوٹنے والا)

نام دھاری (نام والا)

یاد کرنتا (یاد کرنے والا)

بے انتا (لاتعداد)

ان مثالوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اردو میں عربی اور فارسی الفاظ کے ساتھ ہندی الفاظ کی آمیزش یا ملاپ کوئی نیا تجربہ نہیں ہے بلکہ صدیوں پرانی روایت ہے۔ مذکورہ بالا امثلہ سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ الفاظ کی ترکیب سازی میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ اور یہ خوبی انہیں اس دور کے دیگر اردو شعراء سے ممتاز کرتی ہے۔

8- نوشہ صاحبؒ کے کلام میں خالص فنی نقطہ نظر سے بہت سی جدتیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً پہلے مصرع کے شروع میں ایک یا ایک سے زیادہ ایسے لفظ لائے جاتے ہیں جو بعد کے اشعار کے پہلے مصرعوں میں ویسے ہی موجود ہوتے ہیں۔ اسے دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک قسم کی ردیف ہوتی ہے جو ہر شعر کے پہلے مصرعے کے شروع میں استعمال ہوتی ہے۔ نوشہ صاحبؒ کا یہ انداز بلاشبہ انفرادی ہے۔ اس ضمن میں عبور حاصل کرنا کوئی آسان نہیں۔ تاہم نوشہ صاحبؒ اس فن پر عبور رکھتے تھے۔ مثلاً گنج شریف کے ص 81 پر ''سرگن نرگن'' کے عنوان سے نظم درج ہے جس کے ہر شعر کے پہلے مصرعے کی ابتداء میں سرگن کا لفظ موجود ہے۔ جو نہ صرف صوتی آہنگ کی بنا پر اچھا لگتا ہے بلکہ شعر میں موسیقی کے عنصر کو بڑھاتا ہے اور نوشہ صاحبؒ کی بے پناہ شعری صلاحیتوں اور مجددانہ ریاضتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس نظم کے کچھ شعر نمونے کے طور پر حاضر ہیں:

سُرگن ہوئے اور ہوون ہارا — سوچھم ہوا ستھول پسارا (1)
سُرگُن لہیئے سُرگُن کہیے — نرگن ناں لہیئے نہ کہیئے
سُرگُن نیڑے سُرگُن دور — نرگن ناں نیڑے دور
سُرگُن مانہہ سب ذات صفات — نام نشان مکان کی بات
سُرگُن مانہہ بھگت اور سگت — نرگن مانہہ نہ ہوا جگت
سُرگُن مانہہ بھیکھ اور ریکھ — نرگن مانہہ الکھ الیکھ
سُرگُن مانہہ دیکھن سنن بولن — نرگن مانہہ ناں تھڑن ناں ڈولن

اسی طرح نظم اندر ظہور میں ''اندر ہی'' اور نظم مہر پروان میں ''مہر مرشد کی'' کا استعمال اسی شعری صلاحیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ نظم اندر ظہور میں سے کچھ شعر:

1- انتخاب گنج شریف ص 81

اندر ہی موں عاجزی اندر گربھ ابھمان[1]
اندر ہی موں ہونماں اندر بسے گیان
اندر ہی موں لوبھ ہے اندر ہی موں کام
اندر ہی موں یاد ہے اندر ہی موں نام
اندر ہی موں کچھ نہیں اندر مُجھ سا کون
اندر جل تھال پانچ تت چار جگ چوداں بھون
اندر ہی اشراف ہے اندر نیچ کمین
باہر توسب ایک ساں نوشہ کہے مسکین

نظم مہر پروان میں سے چند اشعار:

مہر مرشد کی جنم سنورے　　مہر مرشد کی پار اتارے[2]
مہر مرشد کی سکھ بساوے　　جنم جنم کے دُکھ گنواوے
مہر مرشد کی راہ لگائے　　مہر مرشد کی تخت بٹھائے
مہر مرشد کی اس اسوارے　　ناؤ کی سنگت لوہا تارے

9- نوشہ صاحبؒ کے کلام کو اس اعتبار سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ اُن کے کلام میں قدیم الفاظ کا ذخیرہ بے حد وسیع ہے۔ مغل بادشاہ شاہ جہان سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کے بہت سے الفاظ آج گنج شریف کے روپ میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ پروفیسر اقبال مجددی کی یہ بات بالکل درست ہے کہ:

''جہانگیری عہد کے لسانی ادب کے بے شمار الفاظ پہلی مرتبہ اس کتاب کے ذریعہ منظر عام پر آ رہے ہیں۔''[3]

1- انتخاب گنج شریف ص215
2- ایضاً ص225
3- ایضاً ص31

حقیقت یہ ہے کہ جہانگیری عہد کی ادبی زبان شاہ جہان کے دور میں پہنچ کر مزید نکھر گئی تھی۔اور یہ زبان نوشہ صاحبؒ کی شاعری کے ذریعے محفوظ ہوگئی۔

10- اسے نوشہ صاحبؒ کی کرامت کہیں یا اردو زبان کی جاندار روایت کا نام دیں کہ نوشہ صاحبؒ کے اردو دیوان میں بہت سے اشعار اپنی قدامت کے باوجود آج کل کی اردو زبان سے بہت قریب ہیں۔بعض اوقات اسے پڑھتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ نوشہ صاحبؒ کو صدیوں پہلے آجکل کی زبان کیسے سنائی دیتی تھی:

کون گنے تیرے سب نام
آگے ختم سے ہوئے تمام[1]

جب پیر پیغمبر عاجز ہوئے
تب نوشہ کیا صفت تیری کہے[2]

رب رؤف رحیم رحمان
بندے اپنے پر مہربان[3]

دل مرشد کے ناؤں پر کیجئے صد قربان[4]
مرشد مرشد رات دن بولے پڑی زبان

شہسوار مرشد کہیں ، شیعہ کہیں امام[5]
نوشہ مرشد کے ملے پایا دین اسلام

1- انتخاب گنج شریف ص 68
2- ایضاً ص 69
3- ایضاً ص 99
4- ایضاً ص 113
5- ایضاً ص 114

جو مرشد کرامات دکھائے
نوشہ اس کے راہ نہ جائے[1]

o

اُس بن اور نہ کوئی دوجا[2]
نوشہ کرے اُسی کی پوجا
ذاتاں کہاں سوں آئیاں
یہ آپے آپ بنائیاں

ان کے علاوہ ہندی راگوں میں لکھے گئے شعروں میں لہجہ بھی ہندی ہی استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً

وہ دیوے تو کوئی نہ برجے
اس کے خوف سوں ہر کولرجے [3]

11- گنج شریف میں نوشہ صاحبؒ کا کلام بے شک تصوف کے مسائل سے مملو ہے۔ پھر بھی اُس دور کے بعض مشاہیر کا تذکرہ اُن کے کلام میں موجود ہے۔ یوں انکی شاعری اپنے معاصرین کے متعلق بھی معلومات دیتی ہے۔ گنج شریف کے مطالعے سے صرف یہی معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اُن کا زمانہ موسیقی کے عروج کا دور تھا۔ علاوہ ازیں اُس دور کے صوفیائے کرام کا تبلیغی انداز کیا تھا۔ اُس زمانے میں کن کن مشہور ہستیوں کا عام چرچا تھا۔ کون کون سے لوک گیت، دوہے، بیت مشہور تھے۔ نوشہ صاحبؒ نے اُن کا صرف ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اُن کے متعلق اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے۔ مثلاً:

1- انتخاب گنج شریف ص139
2- ایضاً ص298
3- ایضاً ص76

گورو گرنتھ اور دھرم کرم ساکھی سُکھی پنتھ
نوشہ سب جھوٹی سُپنا بن پاک محمدؐ کنتھ [1]

12- نوشہ صاحبؒ کی اردو شاعری میں ایک ایسی خوبی بھی ملتی ہے۔ جسے بلاخوف تردید یوں کہا جا سکتا ہے کہ اردو شاعری میں اگر کسی شاعر نے مذہبی حوالے اور منطق کی رو سے اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کو باطل ثابت کیا ہے تو وہ صرف نوشہ گنج بخشؒ ہیں۔ وہ نہ صرف دعویٰ کرتے ہیں بلکہ دلائل سے ثابت بھی کرتے ہیں۔ انہوں نے شہادتوں اور مثالوں سے اپنے دعوے کو سچ کر دکھایا ہے۔ مثلاً انہوں نے ہندوؤں کے مسئلہ تناسخ یا آواگون کو اپنی شاعری میں دلائل سے جس طرح رد کیا ہے قابل ستائش ہے۔ اُن کی نظم ''آواگون'' کے چند شعر دیکھئے:

پھر آوے تو اب کیوں جائے　　لکھ چوراسی جون نہیں پائے
جونوں کی ہم بات نہ مانی　　بالک ہوئے سو سُنی کہانی
خاوند کے گھر کمی نہ کائے　　لاکھ دیہ موں ایک کیوں پائے
جاکو ایک بن اور نہ ہوئے　　ایتے جتن کرے ہے سوئے
جیتے روح تیتے ہی تن　　بھانت بھانت کے ڈھاوے بن
لاکھ ترنگ دریاؤ سے چھوٹے　　وہ تو پھیر نہ بنے جو ٹوٹے
جون جون موں ہم نہ پھریں　　وحدت کے دریاؤ میں گھریں
جوناں مانے موڑھ اجان　　نوشہ ہم پایا عرفان [2]

اسی فکر کے حوالے سے کچھ اور شعر دیکھئے:

1- انتخاب گنج شریف ص98
2- ایضاً ص305

جب سب موں صاحب ملا تو خویش بیگانہ کون
نوشہ مرشد مہر کر میٹے آواگون[1]
لکھ چوراسی سو پھرے جاکو ایک نہ ٹیک
ایک کہا ایک مانیا نوشہ ایک کا ایک
دوجا ہوئے نہ ایک بن لکھ چوراسی کون
نوشہ ہمیں یقین ہے جو بھرم سے آواگون
کلمہ پڑھا تو کل پڑی جو لکھ چوراسی نانہہ
نوشہ کلمہ پاک بن سب دیکھے بھٹکن مانہہ

13- نوشہ صاحبؒ کے کلام کی بازگشت اُن کے کافی عرصہ بعد بھی بزرگ شعراء کے کلام میں فکری سطح پر سنائی دیتی ہے۔ اور اُن کے بعض اشعار پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس مضمون کو صدیاں پہلے نوشہ صاحبؒ کس خوبی اور حسن کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ مثلاً علامہ اقبال کا بے حد مشہور شعر ہے:

مُسلم کے لئے تو دونوں طرح ہے عید
زندہ رہے تو غازی ، مر جائے تو شہید

اس مضمون کو نوشہ صاحبؒ صدیاں قبل یوں بیان کیا تھا:

مرے تو شہید ، مارے تو غازی
سچیاروں کی کار جنگ بازی[2]

خواجہ میر درد فرماتے ہیں:

جگ میں آ کر ادھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

1- انتخاب گنج بخش ص306
2- ایضاً ص149

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

جو دیسے سو دیسے توں
تیرے سوبھی توں ہی توں

علامہ اقبال اپنی شہرہ آفاق نظم ''ساقی نامہ'' میں لکھتے ہیں:

خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض
نہیں شعلہ دیتے شرر کے عوض

اسی مضمون کو نوشہ صاحبؒ نے بہت عرصہ پہلے یوں بیان کیا تھا۔

توں کیوں اپنی سُدھ نہ لے
کوڈی مانگے مانک دے[1]

امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں:

پل سے اتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو
جبرئیل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو[2]

یہی بات نوشہ صاحبؒ کس قدر خوبصورت انداز میں کہتے ہیں:

پل صراط پر جبرائیل رکھے پنکھ پسار
نوشہ مومن تاہ پر پڑھ کلمہ اُترے پار[3]

مذکورہ بالا چند امثلہ نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہیں ورنہ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں ایسی بہت سی مثالیں تلاش کی جاسکتی ہیں۔

14- عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ صوفی شعراء فن سے زیادہ فکر پر توجہ دیتے ہیں۔ لیکن نوشہ صاحبؒ کا کلام فن اور فکر کی دونوں خوبیوں سے آراستہ ہے۔ آپ نے

1- انتخاب گنج شریف ص 256
2- احمد رضا خان بریلوی: حدائق بخشش، کراچی 1979ء ص 98
3- انتخاب گنج شریف ص 263

اپنی شاعری میں علم بیان سے خوب کام لیا ہے۔ آپ نے تشبیہات و استعارات کا استعمال ایسی فنکاری سے کیا ہے کہ اشعار کے زیور میں نگینے جڑ دیئے ہیں۔ یہاں چند ایک مثالیں قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش کی جاتی ہے۔

بندے پر بندے کی آسا
جیسے پانی اور پیاسا[1]

o

نوشہ نرگن ذات ہے سُرگُن ہیں صفات[2]
اُلٹ پُلٹ صفات موں جیوں کاتیوں نت ذات

o

مرشد من موں یوں بسے جوں سورج موں جوت
نوشہ مرشد سنگ ہے کہیں ہوت انہوت[3]

o

ماتھا لوح محفوظ ہے مکھڑا جیوں قرآن
مہاں مرشد پاک کرے نوشہ کرے بیان[4]

o

مرشد ہے دیدار محل طالب دیکھن ہار
نوشہ مرشد پاک موں دیکھا پاک دیدار[5]

1- انتخاب گنج شریف ص76
2- ایضاً ص82
3- ایضاً ص110
4- ایضاً ص121
5- ایضاً ص125

جیسے سورج چھپ گئے رین اندھاری ہوئے
تیسے یہ تن روح بن رونق بیٹھے کھوئے [1]

o

جیسے کالی رات سوں روشن ہوئے پربھات
تیسے حرف سیاہ سے پائیے نور کی بات [2]

o

من اگیانی جیھبا گیان والی
جیوں مغز سوں بادام خالی [3]

اب استعارے کی چند ایک مثالیں دیکھئے:

وہ سچیار جو کلمہ پڑھے
لے ہتھیار گھوڑے پر چڑھے [4]

o

ماس گیا مندر رہا مندر بھی گر جائے
انیت لا کرے گہنے ہو ماٹی انت سمائے [5]

o

15- نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں عوام کی بھلائی و بہبود کے موضوعات بھی

1- انتخاب گنج شریف ص170
2- ایضاً ص186
3- ایضاً ص211
4- ایضاً ص154
5- ایضاً ص170

بیان کئے ہیں۔ دین اسلام کی تبلیغ بھی کی ہے۔ باطل عقائد کو رد کیا ہے۔ انسانیت ، بھائی چارے اور محبت کا درس دیا ہے۔ اُن کی فکر کا تانا بانا مذہب اور تصوف سے تیار ہوا ہے۔ ایسے عظیم افکار پیش کرنے والے دانشور ہمیشہ فکر، عقائد اور نظریات کے پرچار پر زیادہ توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک فن ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن نوشہ صاحبؒ کے کلام کی یہ خوبی ہے کہ انہوں نے فکر اور فن میں توازن برقرار رکھا ہے۔ انہوں نے افکار و نظریات کے پہلو بہ پہلو نہایت احسن طریق سے صنائع لفظی و معنوی کو اشعار کے سانچوں میں ڈھالا ہے۔ اُن کے ہم عصر شعراء کے کلام میں یہ خوبی خال خال دکھائی دیتی ہے۔ اس لئے پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ صنائع لفظی و معنوی کے استعمال میں اُس دور کا کوئی بھی شاعر نوشہ صاحبؒ کا ہم پلہ نہیں ہے۔

یہاں ہم چند صنائع لفظی و معنوی کا مختصر تعارف پیش کر کے نوشہ صاحبؒ کے کلام سے کچھ مثالیں پیش کریں گے۔ تاکہ فنی نقطہ نظر سے نوشہ صاحبؒ کے کلام کا مرتبہ معلوم ہو سکے۔

صنائع لفظی

صنعتِ تجنیس:

صنائع لفظی میں سب سے زیادہ اہمیت صنعت تجنیس کو حاصل ہے۔ صنعت تجنیس سے مراد ہے کہ کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جو تعداد ، نقاط اور اعراب میں ایک جیسے ہوں مگر اُن کے معنی الگ الگ ہوں۔ (1)

'' صنائع لفظی میں معنی کی بجائے کلام میں دو الفاظ کی موزونیت سے بحث کی جاتی ہے۔ یعنی کلام میں ایسے دو لفظ لائے جائیں جو حروف و

1- شمس بریلوی: کلام حضرت رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ، کراچی 1979ء ص 184

حرکات ،سکون اور ترتیب میں بالکل ایک جیسے ہوں اور ہم شکل ہوں
انہیں تجنیس تام کہتے ہیں۔‘‘(1)

تجنیس تام کی دو قسمیں ہیں:

(i) تجنیس تام متماثل: اس سے مراد یہ ہے کہ

’’ اگر دونوں لفظ ایک ہی نوع سے ہوں۔ (یعنی حرف ہوں یا دونوں فعل
ہوں یا دونوں اسم ہوں) تو اُسے تجنیس تام متماثل کہتے ہیں۔‘‘(2)

مثلاً مومن کا ایک شعر ہے:

یوسف سے عزیز کو کسی سال
زندانِ عزیز میں پھنسایا

مومن کے اس شعر کے مصرع میں لفظ عزیز پیارے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جبکہ دوسرے مصرع میں عزیز سے مراد مصر کا بادشاہ ہے۔

اس تعریف کی روشنی میں نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے تجنیس تام متماثل کی مثال دیکھئے۔ طوالت سے بچنے کے لئے یہاں ایک ایک یا دو دو شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

بندھن مکت کا بندھن چھوڑ
مرشد ملے سب بندھن توڑ(3)

پہلے مصرعے میں بندھن کا مطلب ہے دستور اور دوسرے مصرع میں بندھن سے مراد قید ہے۔

1- خدیجہ شجاعت علی: ترجمہ سہل حدائق البلاغت لاہور 1966ء ص 107
2- نذیر احمد: اقبال کے صنائع بدائع ،آئینہ ادب لاہور 1966ء ص 42
3- انتخاب گنج شریف ص 173

(ii) تجنیس تام مستوفی:

''اگر تجنیس کے دونوں لفظوں کی نوع علیحدہ ہو یعنی ایک لفظ اسم ہو اور دوسرا فعل یا ایک اسم ہو اور دوسرا حرف ، یا ایک فعل ہو اور دوسرا حرف تو یہ تجنیس تام مستوفی کہلاتا ہے۔'' (1)

مثلاً انشا اللہ خان کا شعر ہے:

کہا دل نے مرے دیکھی جو وہ مانگ
کہ ہے یہ رات آدھی کچھ دعا مانگ

یہاں پہلے مصرعے میں لفاظ ''مانگ'' بطور اسم آیا ہے جبکہ دوسرے مصرع کے آخر میں لفظ مانگ بطور فعل استعمال ہوا ہے۔ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں تجنیس تام مستوفی کی ان گنت مثالیں ملتی ہیں۔ نمونے کے لئے ایک مثال دیکھئے:

دل راج کا دان دیے جاکے جائیں
دیا دیے سماں بن دیے کیا پائیں (2)

اس شعر کے مصرع اولٰی میں ''دیے'' بطور فعل اور مصرع ثانی میں بطور اسم استعمال ہوا ہے۔

تجنیس مضارع

دو الفاظ متجانس میں سے صرف ایک حرف کا جو قریب المخرج یا متحد المخرج ہوں۔ مختلف ہونا ، جیسے بحر اور بہر ، لعل اور لال ، علم اور حلم ، برسوں اور پرسوں وغیرہ (3)

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے اس کی مثال دیکھئے:

1- اقبال کے صنائع بدائع ص 42
2- انتخاب گنج شریف ص 172
3- اقبال کے صنائع بدائع ص 51

رنگ ڈھنگ اور سنگل سکل سوں پاک منزہ[1]
ڈیل ڈول نہیں تاہ ہے اروپ سروپہ

تجنیس زائد و ناقص

''دو متجانس الفاظ میں سے ایک دوسرے سے ایک حرف کم یا زیادہ ہونا''[2]

مثلاً ناسخ کا شعر ہے:

یوں نہ باتیں چھپا چھپا کے کرو
مہرباں بات ہے نبات نہیں

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں تجنیس زائد و ناقص کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ یہاں صرف تین مثالیں پیش ہیں۔

الکھ روپ اروپ جو سرب روپ ہے سوئے[3]
الکھ روپ کوں وہ لکھے جو روپ روپ موں ہوئے

o

کر کر پا پر بھ میل لے ملے سریں سب کاج[4]
میں تو واسن واس ہوں تو مہاراج دھراج

o

انگ انگ موں جا کا رنگ
تا کی یاد کر ہر رنگ ڈھنگ[5]

1- انتخاب گنج شریف ص 83
2- اقبال کے صنائع بدائع ص 53
3- انتخاب گنج شریف ص 83
4- ایضاً ص 87
5- ایضاً ص 91

تجنیسِ لاحق

اس سے مراد یہ ہے کہ

''دو متجانس الفاظ میں ایک ایسے حرف کا مختلف ہونا جو قریب المخرج یا متحد المخرج نہ ہو۔ جیسے نور اور نار۔ خاک اور خار۔ ذوق اور شوق وغیرہ'' (1)

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے اسکی مثالیں دیکھئے:

ہے سُکھ ساز غریب نواز ادیکھ ابھیکھ اساس اناسا (2)
بڑے بدار غنیمن گار اماں زمان کو دُکھ بنایا

o

جون بلی جونی بلی، جوت اور جات (3)
نوشہ مرشد سنگ مل طالب سبل ہو جات

تجنیس مرفوع

اس سے مراد ہے کہ

''کسی لفظ کا آخری جز کسی دوسرے لفظ کے جز سے مرکب ہو کر پہلے لفظ کا ہم جنس بن جائے تو اُسے تجنیس مرفوع کہتے ہیں۔'' (4)

مثال کے طور پر امانت لکھنوی کا ایک شعر ہے:

سینہ وہ سینہ کہ دیکھے تو تڑپ جائے بشر
ایسے سینے نہیں دیکھے ہیں کسی نے سن بھر

1- اقبال کے صنائع بدائع ص 54
2- انتخاب گنج شریف ص 84
3- ایضاً ص 110
4- ترجمہ سہل حدائق البلاغت ص 108

اب ذرا نوشہ صاحبؒ کا ایک شعر دیکھئے۔

مومن کلمہ کے پڑھے تن من سو چم لیں
کافر کلمہ نہ پڑھے سوئی ملیچھ ملین[1]

تجنیس مذیّل

اس سے مراد یہ ہے کہ

''دو متجانس الفاظ میں سے ایک لفظ کے آخر میں دو حرف کا زیادہ ہونا۔ مثلاً مانگ سے مانگتی۔''[2]

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے چند مثالیں پیش ہیں:

کان کہے میں سنتا رہا
سنتے سنتے سن ہو رہا[3]

o

کلمہ کہا رسولؐ کا پل موں اُترے پار[4]
کل کل تھی سو مٹ گئی اب من بھیو اقرار

تجنیسِ محرّف

کلام میں اگر دو لفظ ترتیب، نوعیت اور شمار میں ایک جیسے ہوں، مگر اعرابِ ثلاثہ میں فرق ہو تو اُسے تجنیسِ محرف کہتے ہیں۔ مثلاً مَحرم

1- انتخاب گنج شریف ص270
2- اقبال کے صنائع بدائع ص50
3- انتخاب گنج شریف ص229
4- ایضاً ص273

اورمُحرّ م‘‘(1)

نوشہ صاحبؒ کا شعر ہے:

نوشہ ادب درویش کا چاہے آپ خدا(2)
دو جگ بھٹکے بے ادب اِت اُت ٹھور نہ پا

علاوہ ازیں صنائع بدائع کی چند اور مثالیں ملاحظہ کیجئے:

صنعت تنسیق الصفات

’’کسی چیز یا شخص کا ذکر صفات متواترہ کے ساتھ کرنا یا ایک موصوف کے کئی اوصاف متواتر بیان کرنا۔‘‘

علامہ اقبال کا مشہور شعر ہے:

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشین کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دارو جہاں بان و جہاں آرا

اب ذرا نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے اسکی مثالیں دیکھئے:

وہ راجا یوگی ، وہی گیا ناسروتا گیان (3)
وہی بھیچک ، وہی بجھیا، وہی داتا ، وہی دان

O

بےنشان بےعیب ، بے مکاں بے انتہ (4)
ذوالجلال کرپال بے زوال ، بے شبہ

1- ترجمہ سہل حدائق البلاغت ص108
2- انتخاب گنج شریف ص 261
3- ایضاً ص72
4- ایضاً ص83

تو صاحب بےانت بےحاجت بے نیاز داتا کرتار [1]
ہم بندے کیا کریں بڑائی ظاہر باطن تیرا پیار

صنعتِ ترافق

"کسی شعر کے دونوں مصرعوں کا یا کسی قطعہ رباعی مسدس کے چار مصرعوں کا اس طرح سے لانا کہ جس مصرعے کو چاہیں مصرعہ اول یا دوم یا سوم یا چہارم کر لیں اور معنوں میں یا سلاست میں اور روانی میں کوئی فرق نہ آئے۔"

مثلاً ناسخ کا شعر ہے۔

آیا نہیں وہ ماہ مہینے گزر گئے [2]
رویا میں اس قدر کہ سفینے گزر گئے

نوشہ صاحبؒ کے اردو کلام میں اس صنعت کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ یہ خوبی جہاں شاعر کے اس صنعت میں مہارت کو ظاہر کرتی ہے وہاں شاعر کے پختہ شعور اور تخیل کی بلندی کا بھی پتا دیتی ہے۔ یہاں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے کلام میں سے کچھ شعر نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کو اُس فن پر کس قدر قدرت حاصل تھی۔

وہ راکھے تو نہ کچھ ڈر — وہ مارے جگ جاوے مر [3]
وہ دیوے تو کوئی نہ برجے — اس کے خوف سوں ہر کو لرجے
وہی رہے جو راکھے مارے — سگل جگت کے کاج سنوارے [4]

1- انتخاب گنج شریف ص 86
2- اقبال کے صنائع بدائع ص 74
3- انتخاب گنج شریف ص 76
4- ایضاً ص 77

سانچا سانچی طلب نت کرے　　　　سر مرشد کے پاؤں پر دھرے (1)

نوشہ دیکھ بہروپیا روپ بن آیا
بدلے ناہیں اصل موں دیکھن موں بدلا (2)

O

دنیا کے سادات سخی عقبےٰ کے سادات فقیر
نوشہ کہے سنو سچیارو ، یوں فرمایا شاہ امیر (3)

صنعتِ تلمیح

کلام میں کسی مشہور واقعہ ، قصہ ، شخص ، چیز ، آیت قرآنی وغیرہ کی طرف اشارہ کرنا اور اس اشارے کا مطلب کلام کی وضاحت ہو تو اسے اصطلاح میں صنعتِ تلمیح کہتے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ چونکہ ایک عالم دین اور مبلغ تھے، اس لئے تاریخ اسلامی پر اُن کی نظر گہری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے کلام میں جگہ جگہ تلمیحات استعمال کر کے اپنے مطالب کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے:

سماں پائے آدم چل گیا　　　　ماٹی تھا پھر ماٹی بھیا
سماں پائے لقمان سدھایا　　　　حکمت کا گن کام نہ آیا
سماں پائے سکندر اُٹھ گیا　　　　راج بھاگ ایہاں ہی رہیا (4)

اونچا ہاتھ صلاحیئے نیچے کیسا چین (5)
آکھے نوشہ قادری یوں کہا امام حسینؓ

1- انتخاب گنج شریف ص79
2- ایضاً ص80
3- ایضاً ص267
4- ایضاً ص77
5- ایضاً ص172

صنعت ملمّع یا صنعت تلمیع

'' ایسی صنعت ہے جس میں شاعر کسی دوسری زبان کے جملے یا مقولے استعمال میں لائے ۔ یہ صنعت اپنے برمحل استعمال کے لئے تبحر علمی کی خواہاں ہے۔[1]

نوشہ صاحبؒ نے اپنی شاعری میں عربی اور فارسی کے مقولے اور جملے بہت کثرت سے استعمال کئے ہیں۔ چند مثالیں دیکھئے:

تجھ سوں ہوا جیا جنت لَا اِلٰــــہَ اِلّا اَنْــــتَ[2]
قُـلْ اِنَّـمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ یُوحیٰ اِلَیَّ ہوا امیر قرآنی
اللہ اکبر جس کی بڑیائی ، اُس کا کوئی نہ ثانی[3]

نوشہ مرد سچیار کوں کہا بے چون چگون
لَا خَـوْفٌ عَـلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْن[4]

تجھ بن اور نہ پائے غیر
ہت ہت بِیَــدِکَ الْـخَیْــر[5]

نوشہ صاحبؒ نے عربی کے علاوہ فارسی جملوں کو بھی بطریق احسن اشعار میں استعمال کیا ہے:

دستگیر در ماندگاں کار سازِ بے چارگاں
داروئے درد منداں مشکلکشائے حاجتمنداں

1- کلام حضرت رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ ص 187
2- انتخاب گنج شریف ص 63
3- ایضاً ص 97
4- ایضاً ص 155
5- ایضاً ص 199

اندھے کوں انکھاں
کوڑھے کوں کایاں (1)

صنعت اشتقاق

'' کلام میں دو لفظ ایسے لائے جائیں کہ دونوں ایک ہی مادے سے مشتق ہوں۔''(2)

کچھ نوشہ سانچ کہے سمجھیں تو سمجھائے
سمجھ سمجھ جب سمجھیا تو سمجھا سمجھا نانہہ (3)

O

شرع شریعت شاعرع عام
شاہ راہا شاہاں شہ گام (4)

صنعت شُبہ اشتقاق

'' ایسے دو الفاظ کا کلام میں لانا جو بظاہر ایک ہی مادہ سے مشتق معلوم ہوں مگر ذرا تامل کے بعد معلوم ہو جائے کہ دونوں ایک اصل سے نہیں ہیں۔''(5)

مثلاً علامہ اقبال کا ایک شعر ہے:

1- انتخاب گنج شریف ص 101
2- ترجمہ سہل حدائق البلاغت ص 112
3- انتخاب گنج شریف ص 86
4- ایضاً ص 149
5- اقبال کے صنائع بدائع ص 61

گرچہ بے رونق ہے بازار وجود
کون سے سودے میں ہے مردوں کا سود

بظاہر ایسا لگتا ہے جیسے سودے اور سود کا ایک ہی مادہ ہے حالانکہ ان کا ایک مادہ نہیں ہے۔نوشہ صاحبؒ کے کلام میں بہت سے ایسے اشعار موجود ہیں جو صنعت شبہ اشتقاق کو ظاہر کرتے ہیں۔مثلاً

خوف نہ غم سچیار کوں دھوکہ روگ نہ سوگ [1]
نوشہ مرشد سوں ملے ویگ تیگ اور توگ

کُنْ فَیَکُوْن کا خاوند تو ہے سب کا پاک خداوند تو ہے [2]

وہی ساکھ ساکھ ہے وہی سُکھ وہی سیکھ [3]
نوشہ جو جگ دیکھنا سو اپنے اندر دیکھ

ان اشعار میں تیگ اور توگ، خاوند اور خداوند، ساکھ، سکھ اور سیکھ، بظاہر ایک ہی مادے سے مشتق لگتے ہیں۔ حالانکہ ان سب کے مادے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

صنعت تحت النقاط، بے نقط و نقطہ وفوق النقاط

یہ صنعت در اصل بہت مشکل ہے۔صنعت تحت النقاط کا مطلب ہے کہ شعر میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن کے حروف کے تمام نقاط حروف کے نیچے آئیں۔اردو فارسی اور پنجابی میں اس صنعت کا ہمیشہ رواج رہا ہے۔مثال کے طور

1- انتخاب گنج شریف، ص154
2- ایضاً ص196
3- ایضاً ص204

پر علامہ اقبال کا یہ شعر دیکھئے:

یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

اے مجیب واسع حکیم اے حکیم بصیر علیم [1]
آپ سمجھے آپ سمجھائے آپ بھول کر آپ گوائے[2]

اسی طرح صنعت فوق النقاط کا مطلب ہے کہ شعر میں نقاط والے جس قدر الفاظ استعمال کئے جائیں اُن سب کے نقاط حروف کے اوپر آئیں۔ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں یہ خوبی عام ملتی ہے۔ مثلاً یہ شعر دیکھئے:

قائم مرشد دائم مرشد دل کوں کرے ملائم مرشد[3]
گھاس ہون کو مرگ کرے گھات سنکھ مرگ کرے گھات [4]

صنعت غیر منقوطہ سے مراد یہ ہے کہ شعر میں ایسے الفاظ لائے جائیں جن میں کوئی نقطہ نہ ہو۔ نوشہ صاحبؒ کے اکثر شعروں میں یہ خوبی موجود ہے۔ بعض اشعار کے مصرعے اس صنعت کی خوبصورت مثال کے طور سامنے آتے ہیں۔ مثلاً ایک شعر دیکھئے جس کا پہلا مصرع بے نقط ہے دوسر نقاط والا ہے۔

لا ولد، لا والد، لا آل اس کے مرد درویش عیال[5]

اسی طرح صنعت نقط میں شعر کا ہر لفظ نقطے والا ہوتا ہے:

1- انتخاب گنج شریف ص218
2- ایضاً ص224
3- ایضاً ص222
4- ایضاً ص254
5- ایضاً ص91

نہ تیرا کچھ شبہ نمون　　　تیری ذات بے چون چگون
جیتی خلق تیتے ہیں نام　　　تیری تسبیح کریں تمام[1]

صنعت سیاق الاعداد

کلام میں اعداد کا ذکر کرنا، بے شک اُن میں ترتیب ہو یا نہ ہو۔[2]

مثلاً علامہ اقبال کا شعر ہے:

نایاب نہیں متاعِ گفتار　　　صد انوری و ہزار جامی

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے ایسی مثالیں پیش ہیں۔

ایک کریں تیرے نام شمار　　　ایک لاکھ اسی ہزار
ایک تین سو ساٹھ کر کہیں　　　نام صفت کا انت نہ لیں[3]
جن کو کہیں نود نہ نام　　　اسماء الحسنٰی تمام[4]

نوشہ مرشد تین ہیں اول ہادی جان
دوجا وِدیا جو کہے بات پتا ترمان[5]

نوشہ ٹہل درویش کی ایک سوں ہوئے پچاس
دیویں انبرت ددھ کر جوگئوواں کھاویں گھاس[6]

پھر آوے تو اب کیوں جائے　　　لکھ چوراسی جون نہیں پائے[7]

1- انتخاب گنج شریف ص68
2- اقبال کے صنائع بدائع ص77
3- انتخاب گنج شریف ص68
4- ایضاً ص69
5- ایضاً ص123
6- ایضاً ص265
7- ایضاً ص305

صنعت سجع یا مسمط

اس سے مراد یہ ہے کہ:

''غزل یا قصیدہ میں دو دو یا تین تین فقراہائے ہم وزن ایک طرح
کے مذکور کریں اور چوتھا قافیہ اصل غزل یا قصیدہ کا ہو۔ اس قسم کی
غزل یا قصیدہ شاعر کی قوت طبع اور قادر الکلامی کا ایک بڑا ثبوت
ہوتا ہے۔''(1)

علامہ اقبال کا ایک شعر اسکی خوبصورت مثال ہے۔

تری خاک میں ہے اگر شرر　　تو خیالِ فقرو غنا نہ کر
کہ جہاں میں نان شعیر پر　　ہے مدار قوّتِ حیدری

حضرت نوشہ گنج بخش کا کلام اس مشکل مگر خوبصورت فنی خوبی سے خالی نہیں ہے۔ بلکہ یہ خوبی اپنی تمام خوبصورتی کے ساتھ قاری کے سامنے آتی ہے۔ جس سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

صاحب ستار ، پاک پروردگار، نراکار، نرادھار، نر بھنگ نر بان ہے
نربھو نرویر، سب سُکھ سدا خیر، اوس خوشی ہے بے نشان بے مکان ہے(2)

O

دُشت موں نہ آ، مو ہے دُشت ہو دکھا، اشثٹ، آشثٹ ، وہی پا جس نام سبحان ہے
کہیں میر، کہیں پیر، کہیں نوشہ، کہیں فقیر، کہیں بھیڑ، کہیں دھیر، کہیں دہ کہیں جان ہے(3)

1- اقبال کے صنائع بدائع ص 78
2- انتخاب گنج شریف ص 70
3- ایضاً ص 70

ایک اور مثال دیکھئے:

تاج کی راج کی لاج رکھوں　　نر تو کٹکوں سے گھوں نہ گھوں
کھینچ پھڑنگ نسنگ اکنگ ہے　　اڑ ہک دلوں سے رہوں نہ رہوں[1]

صنعت ردالعجز علی الابتداء

عروض کے علم کے مطابق شعر کے پہلے مصرعے (مصرعہ اولی) کے پہلے آدھے حصے کو ''صدر'' کہتے ہیں۔ دوسرے آدھے حصے کو ''عروض'' کہا جاتا ہے۔ اسی طرح شعر کے دوسرے مصرعے (مصرعہ ثانی) کے پہلے آدھے حصے کو ''ابتداء'' اور دوسرے آدھے حصے کو ''عجز'' کہا جاتا ہے۔ درمیان میں آنے والے الفاظ حشو کہلاتے ہیں۔ اگر مصرعہ ثانی کے آخری حصہ عجز میں آنے والے الفاظ اُسی مصرعے کے پہلے آدھے یعنی ''ابتداء'' میں بھی لائے جائیں تو اس کو صفت ردالعجز علی الابتداء کہا جاتا ہے۔ مثلاً اردو کا یہ شعر دیکھئے جو اس تعریف کو واضح کر دیتا ہے:

یک بیک گھبرا کے وہ اٹھا پکار
مار تیرے ہاتھ میں ہے اس کو مار

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں ویسے تو بہت سے اشعار اس قسم میں موجود ہیں۔ جن میں یہ صنعت استعمال کی گئی ہے۔لیکن یہاں نمونے کے طور پر ایک شعر دیکھئے۔

میں نہ کہوں یہ توں کہے کہا تیرا پروان
نوشہ چھایا برچھ کی برچھ آپ بھگوان[2]

1- انتخاب گنج شریف ص 103
2- ایضاً ص 71

صنعت ردّ العروض علی الابتداء

جو لفظ پہلے مصرعے کے دوسرے آدھے حصے یعنی ''عروض'' میں آئے اگر وہی لفظ شعر کے مصرعہ ثانی کے پہلے آدھے یعنی ''ابتداء'' میں آئے تو اسے صنعت رد العروض علی الابتداء کہا جاتا ہے۔[1] مثلاً نوشہ صاحبؒ کا یہ شعر دیکھئے۔

نوشہ مجھ میں یوں چھپا جیوں رنگ پانی مانہہ [2]
رنگ گھلیا پانی ملے بن پانی رنگ مانہہ

اس شعر کے عروض اور ابتداء دونوں میں لفظ ''رنگ'' استعمال ہوا ہے۔

صنعت رد العروض علی الصدر

جو لفظ ''عروض'' میں آئے اگر وہی لفظ صدر میں بھی آئے تو اس کو صنعت رد العروض علی الصدر کہتے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ کا شعر ہے:

بھیکھ بھیکھ موں ایک ہے ایک کیا سب بھیکھ
نوشہ بھیکھی یوں کہے وہی سکھ وہی سیکھ [3]

صنعت لزم مالا یلزم

''کلام میں کسی ایسی بات کو لازم کر لینا جو کلام میں لازم نہ ہو بلکہ ازخود لازم کر لی جائے۔''[4]

نوشہ صاحبؒ کے کلام کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اُن کے کلام

1- اقبال کے صنائع بدائع ص 70
2- انتخاب گنج شریف، ص 71
3- ایضاً ص 86
4- ترجمہ سہل حدائق البلاغت ص 117

میں کثرت سے مختلف صنعتوں کا استعمال ملتا ہے۔ اُن کا سارا کلام مختلف صنعتوں سے مزین ہے۔ جو ان کی قادرالکلامی کی زبردست دلیل ہے۔ نوشہ صاحبؒ شعر برائے شعر نہیں کہتے تھے۔ شعر کہنے سے اُن کا ایک واضح مقصد تھا جبکہ مقصدی، اصلاحی او رفکری شاعری عام طور پر صنائع بدائع سے مبرا ہوتی ہے۔ اگر یہ صنائع لاشعوری طور پر خود بخود شعر کے قالب میں ڈھل جائیں تو شعر معجزہ بن جاتا ہے، شعر کا اثر دگنا ہو جاتا ہے اور کلام دو آتشہ رنگ ہو جاتا ہے۔ یہ خوبی نوشہ صاحبؒ کے کلام میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ نوشہ صاحبؒ نے بعض جگہ ہر شعر کی ابتداء میں صرف ایک ہی لفظ استعمال کیا ہے۔ گماں ہوتا ہے کہ انہوں نے شعر کے آغاز میں ردیف استعمال کی ہے اور شعر گوئی کی ایک نئی طرح ڈالی ہے۔

ہر شعر کے شروع میں ردیف کا بار بار استعمال ایک ایسی جدت ہے جو ہنوز شاید کسی دوسرے شاعر کے حصے میں نہیں آئی۔ اس لئے اسے نوشہ صاحبؒ کی جدت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً

سُرگُن ہوئے اور ہوون ہارا سو چھم ہوا ستھوں پیارا
سُرگُن لیھیئے سُرگُن کہیے نِرگن نہ کہیئے نہ کہیئے
سرگن نیڑے سُرگُن دور نِرگن نہ نیڑے نہ دور (1)

ایک اور نظم کے چند اشعار دیکھئے:

اندرِ پریٔ میت ہے اندر ممتا یَر اندر سوں جھگڑا اٹھے اندر ہی سوں خیر
اندر ہی موں دُکھ ہے اندر ہی موں سُکھ اندر ہی موں صبر ہے اندر ہی موں بھُکھ
اندر ہی موں بھرم ہے اندر مانہہ یقین اندر ہی موں دُنی ہے اندر ہی موں دین (2)

1- انتخاب گنج شریف ص 81
2- ایضاً ص 217

مذکورہ اشعار میں شاعر نے ہر شعر کے شروع میں ''سُر گُن'' اور ''اندر ہی'' کا استعمال کر کے صنعت لزم و مالا یلزم سے خوب کام لیا ہے۔ یہاں صرف دو مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ ورنہ نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں جگہ جگہ اس صنعت سے کام لیا ہے۔

صنعت لزم مالا یلزم کی ایک قسم یہ ہے کہ ہر مصرعے میں لفظ لفظ پر قافیے کی تکرار سے ترنم پیدا کیا جاتا ہے۔نوشہ صاحبؒ نے اس صنعت کو بھی خوب استعمال کیا ہے:

ہے کرپال ، دیال تھال ، اچل ، اٹل ، ابھول ، ابھالا
رب الب ، ابوبھ ، اروگ، اسوگ ابھوگ ، اجل جلالا
دھرت اکاس پتاس ، بناس ،جلوں میں تھلوں میں تو ہیں پرت بالا [1]
دھیان گیان ، بیان پچھان ، سبھنوں میں تو ہیں سبھنوں سے نرالا

صنعت لزم مالا یلزم کی ایک نوعیت اور دیکھئے:

مرشد موں مولا ملا، مرشد ملا من مانہہ
مرشد مولا من وہی جس میں دوسر نانہہ [2]

اس شعر کے پہلے مصرع میں لازم کیا گیا ہے کہ ہر لفظ کا آغاز حرف میم سے ہو۔

صنائع معنوی

صنعت ایہام

اسے صنعت توریہ بھی کہا جاتا ہے۔ ایہام کا مطلب وہم میں ڈالنا ہے۔ اور توریہ کا مطلب چھپانا ہے۔لیکن اصطلاح میں اس کے معنی یوں بیان کئے جاتے ہیں۔

'' اصطلاح میں ایہام اس کو کہتے ہیں کہ ایک لفظ کلام میں ایسا لایا جائے جس کے دو معنی ہوں ایک قریب کے اور دوسرے بعید کے اور

1- انتخاب گنج شریف ص 84
2- ایضاً ص 127

سامع کا گمان قریب کے معنوں کی طرف جائے لیکن شاعر کی مراد معنیٰ بعید ہوں۔'' مثلاً

میکش کو ہوس ایاغ کی ہے
پروانے کو لو چراغ کی ہے[1]

اس شعر میں لفظ ''لو'' میں ایہام ہے۔ کیونکہ ''لو'' کا مطلب شعلہ ہے۔ جو معنیٰ قریب ہیں اور دوسرے معنی شوق یا آرزو ہے۔ جو معنی بعید ہیں۔ شاعر کے نزدیک معنیٰ بعید ہیں۔ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے اسکی مثال دیکھئے۔

اندھ اندھاری گورموں کیسے پائیے لو
جیسا ہودے چانناں جیسا دیا ہو[2]

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں لفظ ''دیا'' میں ایہام ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب چراغ ہے جبکہ دوسرا مطلب اللہ تعالیٰ کی میں خرچ کیا ہوا مال ہے۔ یہاں شاعر کی مراد اللہ کی راہ میں دیا ہوا مال ہے۔

صنعت ایراد المثل

اسے ارسال المثل بھی کہتے ہیں۔ مراد اس سے کلام میں کسی مثل یا ضرب المثل کو باندھنا ہے۔ مثلاً

دہانِ یار سے غنچے کو دعویٰ[3]
مثل سچ ہے کہ چھوٹا منہ بڑی بات (امیرؔ)

نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں ضرب المثل اس قدر زیادہ استعمال کی ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ نمونے کے طور پر صرف تین شعر پیش ہیں:

1- اقبال کے صنائع بدائع ص 112
2- انتخاب گنج شریف ص 153
3- اقبال کے صنائع بدائع ص 174

دین گوایا دُنی پر دُنی نہ سانبھی ساتھ
پاؤں کوہاڑا ماریا ظالم اپنے ہاتھ (1)
جیسے سکھی رہیں فقیر
تیسے دُکھی رہیں امیر (2)
میٹھا نام نہ کھانڈ کا نوشہ میٹھی کھانڈ
اچرج حق کا نام ہے جامیں یہ مشتانڈ (3)

صنعت مذہب کلامی

اس صنعت سے مراد ہے کہ دلائل سے اپنے کلام کو مدلل اور وزنی بنانا۔ جیسے علامہ اقبال کا شعر ہے:

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے کلام میں چند مثالیں دیکھئے۔

بوٹا ایک گلاب کا رنگ بھانت تس مانہہ
تیسے صاحب ایک ہے روپ ایک سا نانہہ (4)
شمع ہوئی خاموش موں نور شمع جیوں ہوئے
تیوں نینوں کی جوت موں دیکھے جانے سوئے (5)

1- انتخاب گنج شریف ص 153
2- ایضاً ص 198
3- ایضاً ص 242
4- ایضاً ص 65
5- ایضاً ص 73

بن مرشد نہیں معرفت بن سورج دن نا نہہ
نوشہ مرشد یوں کہا مولیٰ مرشد مانہہ [1]
نوشہ گیان اگیان موں اکتا ایکس ہوئے
بھینگا ایک کو دو لکھے دن کو لکھے نہ دوئے [2]

صنعت سوال و جواب

یعنی شعر میں سوال اور جواب لانا۔ یہ صنعت بعض دفعہ ایک ہی مصرع میں مکمل ہو جاتی ہے۔ بعض مرتبہ ایک مصرع میں سوال اور دوسرے مصرع میں جواب ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ایک شعر میں سوال اور دوسرے شعر میں جواب ہوتا ہے۔ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں کئی ایسے اشعار ملتے ہیں۔ جن میں یہ صنعت بدرجہ اتم موجود ہے۔ خاص طور پر تصوف کے ایسے مسائل و موضوعات جو دیکھنے میں عام اور آسان نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں اُن کو سمجھنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔ اس صنعت کے چند اشعار نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے دیکھئے:

کون سچیار ، مومن سچیار
کافر کش مرد دیندار [3]
درویشی کیا چیز ہے اندر باہر صاف
سر میں ہوئے غرور نہ جِبا نہ ہوئے خلاف [4]

O

1- انتخاب گنج شریف ص152
2- ایضاً ص162
3- ایضاً ص149
4- ایضاً ص160

درویشی کیا چیز ہے کون کوئی درویش
نوشہ وہ درویش ہے جو صاحب سنگ ہمیش (1)

صنعت تصلیف

تصلیف کے معنی ہیں فخر کرنا اور شیخی مارنا ۔لیکن اصطلاح میں اس سے مراد ہے کہ شاعر اپنے حق میں مبالغہ یا تعلّی کرے یا اپنے کلام پر فخر کرے۔ یہ صنعت اردو کے بڑے بڑے تقریباً ہر شاعر کے کلام میں موجود ہے۔ جیسے مراز غالب کا شعر ہے۔

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیئے
جو لفظ کہ غالب مری گفتار میں آوے

نوشہ گنج بخشؒ ایک صوفی شاعر تھے۔ انہوں نے ہمیشہ عاجزی اور انکساری سے کام لیا ہے۔لیکن انہیں جن زبانوں پر عبور حاصل تھا اور جن سے انہوں نے استفادہ کیا اور اپنی شاعری کو آراستہ کیا اُن کا ذکر ضرور کیا ہے۔لیکن اس انداز سے ذکر کیا ہے کہ اُن کے لہجے میں ذرا بھی غرور یا فخر پیدا نہیں ہوا۔ البتہ واضح ہوتا ہے کہ انہیں اپنے ادبی مقام کا علم تھا۔ پھر بھی انہوں نے اسے تصوف کے رنگ میں پیش کیا۔ فرماتے ہیں:

عربی فارسی ہندی ترکی
جو ہم پڑھیں سو بانی دُھرکی

صنعت تضاد یا طباق

اس کی دوقسمیں ہیں۔(i) طباق ایجابی (ii) طباق سلبی

(i) طباق ایجابی: اس سے مراد یہ ہے کہ:

1- انتخاب گنج شریف ص160

''کلام میں دو متضاد لفظ لائے جائیں۔ خواہ دونوں اسم ہوں، خواہ فعل
ہوں اور خواہ دونوں حرف ہوں۔ خواہ ایک اسم ہو اور دوسرا فعل۔ لیکن
یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی ضد ہوں اور دونوں مثبت ہوں۔ یعنی یہ
دونوں ایک مصدر سے مشتق نہیں ہو سکتے۔ بلکہ دونوں کے مصدر جدا
ہونگے۔ جیسے آیا گیا، بیٹھا اُٹھا، چڑھا اُترا، سویا جاگا وغیرہ۔''(1)

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں یہ خوبی پوری آن بان کے ساتھ موجود ہے۔ حوالے کے طور پر چند شعر ملاحظہ فرمائیے:

ہر ہر موں اس کیا تجلّیٰ ظاہر باطن ایک ہے اللہ
اندر باہر آپ ہی آپ آپے چھنّا آپ ہی جاپ
آپے مرشد آپ ہی طالب آپے ہینا آپ ہی غالب
کوئی کہے سب کچھ ہے آپ کیسا پُن اور کیسا پاپ (2)

ان اشعار میں ظاہر باطن، اندر باہر، ہینا غالب، اور پُن پاپ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن مثبت ہیں۔

(ii) طباق سلبی: اس سے مراد یہ ہے کہ:

''کلام میں ایک ہی مصدر سے نکلے ہوئے دو فعل ایسے لائے جائیں
کہ ان میں سے ایک مثبت اور دوسرا منفی ہو۔ جیسے اُٹھنا نہ اٹھنا، سونا نہ
سونا وغیرہ۔''(3)

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے اس کی مثالیں دیکھئے:

ہون نہ ہون اکٹھا نہیں پائیے کیا کریئے کِت پچھن جائیے (4)

1- اقبال کے صنائع بدائع ص80
2- انتخاب گنج شریف ص221,220
3- اقبال کے صنائع بدائع ص 81
4- انتخاب گنج شریف ص229

دیو پری ، آدم کا حکم مانا   جس ناں مانا سوئی پچھتانا[1]

ان اشعار میں ہون نہ ہون ، مانا نہ مانا، ایک ہی مصدر سے مشتق دو فعل ہیں۔ان میں سے ایک مثبت اور دوسرا منفی ہے۔

المختصر نوشہ صاحبؒ کا اردو کلام نہ صرف فکری بلکہ فنی اعتبار سے بھی قابل قدر اور سرآنکھوں پر رکھنے کے لائق ہے۔اردو زبان اس پر جس قدر فخر و ناز کرے کم ہے۔ کیونکہ اردو صوفیانہ شاعری میں جو خلا تھا اُسے نوشہ صاحبؒ کے کلام نے پورا کیا۔ انہوں نے اس صحرا میں تصوف کے جو رنگا رنگ پھول کھلائے ہیں اُن کی رنگت اور مہک نے صحرا کو گلستان میں بدل دیا ہے۔اب اردو شاعری کا دامن صوفیانہ شاعری سے خالی نہیں رہا، بلکہ سدا مہکنے والے پھولوں سے بھر گیا ہے۔آخر میں نوشہ صاحبؒ کے چند ایک ایسے اشعار پیش کئے جاتے ہیں جو معنوی اعتبار سے لافانی اور بے مثل ہیں۔ان کو سہل ممتنع میں شمار کیا جا سکتا ہے:

جن کی آس اللہ پر تن کی اونچی آس[2]
نوشہ وہ ہی نیچ ہے جس کے دنیا پاس
جس کو راکھے آپ خداؤ
تس نہ لاگے تتی باؤ[3]
مکھ موں حق کا نام ہو من موں حق کی یاد
ظاہر باطن کا تبھی نوشہ ہوئے سواد[4]

❁

1- انتخاب گنج شریف ص235
2- انتخاب گنج شریف ص195
3- ایضاً ص235
4- ایضاً ص245